www.urduchannel.in

پاکستانی ادب کے معمار

(سلسلہ)

قابل اجمیری: شخصیت اور فن

www.urduchannel.in

پاکستانی ادب کے معمار

قابل اجمیری: شخصیت اور فن

خالد مصطفیٰ

work\Naseer
shah book
finel\mononewjpg
not found.

اکادمی ادبیات پاکستان

www.urduchannel.in

کتاب کے جملہ حقوق بحق اکادمی محفوظ ہیں۔

نگران اعلیٰ	:	ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو
منتظم	:	ڈاکٹر راشد حمید
نگران منصوبہ وطباعت	:	علی یاسر
مرتب	:	خالد مصطفیٰ
نظر ثانی	:	ناصر زیدی
ٹائٹل	:	سجاد احمد
اشاعت اول	:	2017ء
تعداد	:	1000
ناشر	:	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	:	نسٹ پریس، اسلام آباد
قیمت	:	مجلد: -/ روپے
		غیر مجلد: -/ روپے

ISBN: 978-969-472-

اس کتاب کے متن کا کوئی بھی حصہ نقل یا استعمال نہیں کیا جا سکتا، سوائے حوالے کے۔
خلاف ورزی پر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا استحقاق رکھتا ہے۔

www.urduchannel.in

فہرست

پیش نامہ

پیش لفظ

باب۔(۱) : سوانح اور شخصیت

نام ونسب

پرورش

ابتدائی تعلیم

شعرگوئی کی ابتدا

ارمانؔ اجمیری کی شاگردی

مولانا معنیؔ کی شاگردی

شعری سفر کا باقاعدہ آغاز

محبت کا ناخوشگوار تجربہ

پاکستان میں آمد

مستقل سکونت

اداکاری کا شوق

بیماری کی تشخیص

شادی

اولاد

www.urduchannel.in

روزگار

وفات

بیگم قابلؔ کی وفات

شخصیت

باب۔(۲) : اجمیر کا ماحول اور شعری سفر

تاریخ اجمیر

درگاہ معلیٰ

علمی و ادبی سرگرمیاں

دبستان فانیؔ و جگرؔ

ابتدائی اثرات

قابلؔ کا شعری ارتقا

باب۔(۳) : ادبی خدمات

قابلؔ کے سو شعر

دیدۂ بیدار

خونِ رگِ جاں

کلیاتِ قابلؔ ۱۹۹۲ء

کلیاتِ قابلؔ ۱۹۹۴ء

طالب علم ڈائجسٹ (قابلؔ نمبر)

نخلستان (قابلؔ اجمیری نمبر)

انتخاب قابلؔ اجمیری

عصریات و تنقیحات

www.urduchannel.in

نذرِ خواجہؒ

عشق انسان کی ضرورت ہے

قابلؔ اجمیری کے تلامذہ

باب۔(۴) : قضیۂ قابلؔ

باب۔(۵) : قابلؔ اجمیری کی غزل گوئی

اردو غزل کا ارتقا

اردو غزل قیام پاکستان تا حال

قابلؔ اجمیری کی غزل گوئی

باب۔(۶) : قابلؔ اور دیگر اصنافِ سخن

نعت، سلام و منقبت

نظم نگاری

قطعات و رباعیات

گیت نگاری

باب۔(۷) : ادبی مقام اور مشاہیر کی آرا

www.urduchannel.in

پیش نامہ

ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو (تمغۂ امتیاز)
چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان

www.urduchannel.in

پیش لفظ

قابل اجمیری ایک خوش فکر اور ممتاز شاعر تھے۔غزل ان کا اصل میدان تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا تین چوتھائی حصہ غزل پر مشتمل ہے۔ان کی دنیاوی زندگی صرف اکتیس برس تھی لیکن اس مختصر مدت میں اُنھوں نے بہت کچھ کہہ ڈالا۔قابلؔ اجمیری اکتیس برس بعد داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے لیکن ان کی شاعری نے آج تک اُنھیں زندہ رکھا ہوا ہے۔

قابلؔ اجمیری پر ان کی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر کام نہ ہوا تاہم ان کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے ان کے شعری اثاثے کو جانچنے کی سعی ضرور کی۔میں نے حیدرآباد میں اپنی تعیناتی کے دوران میں جب قابلؔ اجمیری جیسی نابغۂ روزگار ہستی کے بارے میں جاننا چاہا تو معلوم ہوا کہ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات عوام تک پہنچی ہیں۔مزید یہ کہ ان کی شعری کتب اور ان کی زندگی پر مطبوعہ مواد بازار میں دستیاب نہیں۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو،صدر نشیں اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد نے اُردو کے نامور شعرا و ادبا کی زندگی اور فن پر کتب شائع کرنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا تو امید بندھی کہ اب قابلؔ اجمیری اور ان جیسے کئی اہم شعراء و ادباء کی زندگی اور فن پر مطبوعہ مواد عام آدمی کے مطالعے کے لیے بازار میں دستیاب ہوگا۔میں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو،کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے قابلؔ اجمیری کی زندگی اور فن پر یہ کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

خالد مصطفیٰ

موبائل: 03335553217

www.urduchannel.in

باب۔(۱)

سوانح اور شخصیت

نام ونسب

قابلؔ اجمیری کا اصل نام عبدالرحیم ہے۔ وہ ۲۷ ،اگست ۱۹۳۱ء کو قصبہ چرلی، اجمیر شریف (بھارت) میں پیدا ہوئے (۱)۔آپ کے والد کا نام عبدالکریم اور والدہ کا نام گلاب تھا۔اجمیر میں مسلمانوں کے تین اہم طبقے قیام پذیر تھے۔اوّل وہ فوجی اورنوابین حضرات جو پٹھان سلطنت کے دور میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔ یہ حضرات پیرزادے اور دیس والی کہلاتے تھے اور متمول طبقے میں شمار ہوتے تھے۔دوسری بڑی آبادی ان لوگوں کی تھی جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے روضۂ مبارک کے خدمت گزار اور مجاور تھے۔تیسری بڑی آبادی مہاجروں کی تھی جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد یو پی اور دہلی سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔

قابلؔ اجمیری اوّل الذکر پیرزادہ یا دیس والیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو پٹھان سلطنت کے دور میں یہاں آباد ہوئے تھے۔اس زمانے میں اس خاندان کے بیشتر افراد اعلیٰ فوجی عہدوں پر فائز تھے اور انھیں محلّہ اندرکوٹ اور اجمیر کے قرب وجوار میں کافی جائیداد ملی تھی تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ جائیداد کم ہوتی گئی اور قابلؔ اجمیری کی پیدائش کے وقت یہ جائیداد صرف دو مکانات تک محدود ہو گئی۔ایک مکان ترپوریہ گیٹ اندرکوٹ میں تھا جو درگاہ معین الدین اجمیریؒ کے احاطے سے منسلک تھا اور دوسرا مکان قصبہ چرلی،اجمیر شریف کے قریب تھا۔

قابلؔ اجمیری کے والدین تپِ دق کے مرض میں مبتلا تھے۔قابل اجمیری کے والد تعمیرات کی ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے اور اجمیر شریف کی کافی معروف عمارات ان کی نگرانی میں

تعمیر ہوئیں۔ اجمیر کا سب سے بڑا مدرسہ ''معینیہ اسلامیہ ہائی سکول'' بھی اُنھی کی نگرانی میں تعمیر ہوا جو پورے راجھستان میں مسلمانوں کی تعلیم کے حوالے سے معروف درسگاہ تھی۔ آپ تعمیرات کے علاوہ عمارات کی مرمت کا کام بھی کرتے تھے۔ جھلستی دھوپ میں کام کرنے کی وجہ سے عبدالکریم کی صحت خراب ہونا شروع ہوگئی۔ ۱۹۳۴ء میں پہلی دفعہ ان پر تپِ دق کا حملہ ہوا۔ کافی علاج کیا مگر صحت دن بہ دن خراب ہوتی چلی گئی۔ ان کا انتقال ۱۹۳۸ء میں اجمیر کے لونگیہ ہسپتال میں ہوا۔ (۲) چند دنوں بعد قابلؔ کی والدہ گلاب بھی چل بسیں۔ ۱۹۴۷ء میں قابلؔ اجمیری کے چھوٹے بھائی شریف بھی دق کے مرض میں فوت ہوئے۔ قابلؔ کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام فاطمہ تھا مگر وہ بھی کم سنی میں وفات پا گئی۔

پرورش

قابلؔ کی پرورش ان کے دادا چاند محمد نے کی جو اجمیر کی ریلوے ورکشاپ میں پینٹر تھے۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ ۱۹۶۷ء میں قابلؔ اجمیری پر مقالہ تحریر کرنے والے سندھ یونی ورسٹی حیدر آباد کے ریسرچ اسکالر سید محمد تسلیم نے قابلؔ کے دادا کا نام امیر بخش بتایا ہے تاہم یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے مقالہ نگار وحید الرحمٰن خان نے قابلؔ کے دادا کا نام چاند محمد درج کیا ہے اور ثانی الذکر نام درست ہے۔ ہفت روزہ ''معین'' اجمیر میں قابلؔ اجمیری کے دادا کی وفات کی خبر سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے جس میں ان کا نام چاند محمد درج ہے اور انہیں تجربہ کار صانعِ تعمیرات لکھا گیا ہے۔ قابلؔ اجمیری کے دادا چاند محمد ایک متقی شخص تھے۔ دن بھر ریلوے کے لوکو اینڈ کیرج ڈیپارٹمنٹ میں رنگسازی کرتے اور راتیں یادِ الٰہی میں گزارتے۔ قابلؔ اجمیری کی پرورش اُنھوں نے نہایت پیار سے کی۔ قابلؔ کی والدہ بھی اس دنیا سے جلد رخصت ہوگئی تھیں اس لیے اُنھیں ماں کا پیار تو میسر نہ تھا مگر ان کی دادی جان نے قابلؔ کی خوب نگہداشت کی۔ چاند محمد نے ۲۹ مئی ۱۹۴۷ء کو وفات پائی۔ (۳)

www.urduchannel.in

قابلؔ اجمیری کو بچپن میں عبدالرحمٰن عرب جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کی گود بھی میسر رہی اس لیے قابلؔ کی شخصیت پر عبدالرحمٰن عرب کی صحبت کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ عبدالرحمٰن عرب عراق کے رہنے والے تھے اور جامعۂ ازہر مصر کے فارغ التحصیل تھے۔ مدرسہ نظامیہ میں آپ بحیثیت مدرس تعینات تھے اور صندلی مسجد درگاہ معلّٰی کے پیش امام کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ قابلؔ اجمیری کے دادا نے آبائی مکان کا بالائی حصہ عرب صاحب کو کرائے پر دے رکھا تھا اس لیے قابلؔ اجمیری فارغ اوقات میں اکثر ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔

ابتدائی تعلیم

قابلؔ نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلّٰی اجمیر شریف سے حاصل کی۔ چھے سال کی عمر میں قرآن ختم کیا اور دس سال کی عمر میں صَرف ونحو کی تعلیم مکمل کی۔ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلّٰی اجمیر شریف کے سرٹیفکیٹ کے مطابق ۱۹۴۱ء میں آپ نے ابتدائی درجے کا امتحان پاس کیا۔ مولانا محمد یونس اور مولانا محمد ادریس اس مدرسہ میں ابتدائی درجات کے انچارج تھے، جن سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ نے قرآن شریف میں ۹۰، اردو کی دوسری میں ۹۵، املا میں ۱۰۰، دینیات میں ۹۰، اور حساب میں ۱۰۰، نمبر حاصل کیے۔ اس طرح آپ نے ۵۰۰ میں سے ۴۷۵ نمبر حاصل کر کے یہ امتحان اعلیٰ درجے میں پاس کیا۔ آپ کے تعلیمی ریکارڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک محنتی اور لائق طالب علم تھے تاہم آپ نے بہت جلد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور تمام تر توجہ شاعری پر مرکوز کر دی۔

شعر گوئی کی ابتدا

قابلؔ اجمیری کسی اسکول میں باقاعدہ تعلیم مکمل نہ کر پائے تاہم جو ماحول اُنھیں میسر آیا وہ ایک علمی وادبی ماحول تھا۔ اجمیر شریف کے ادبی وعلمی ماحول کا نقشہ سید محمد تسلیم نے قابلؔ اجمیری پر لکھے

گئے مقالے میں کچھ یوں کھینچا ہے:

''قابلؔ نے اجمیر کے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں چاروں طرف علمی اور ادبی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ مکان کے دروازے کے سامنے ڈھائی دن کے جھونپڑے کی مسجد اور مدرسہ تھا جس کو سلطان شہاب الدین غوری نے اسلامی دنیا کی پہلی درسگاہ بنا کر پیش کیا تھا۔ ان کے مکان کی پشت پر خواجہ اجمیر کی سنگِ مرمر کی تعمیر شدہ عظیم درگاہ تھی۔ جامعہ شاہجہانی اور مدرسۂ نظامیہ اسی درگاہ کے احاطے میں واقع تھے۔''(۴)

قابلؔ اجمیری پڑھائی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد اکثر اوقات درگاہ کے احاطے یا قریبی ہوٹلوں پر بیٹھے شعرا وادبا کے ساتھ وقت گزارتے اور ان کی علمی گفتگو سے استفادہ کرتے۔ اجمیر میں ایسی محافل ذکی بازار یا درگاہ بازار میں واقع ہوٹلوں پر جمتی تھیں۔ درگاہ میں ہندوستان کے مشہور قوال محفل سماع کے لیے آتے اور اردو و فارسی زبان کے اُستاد شعرا کا کلام سناتے۔ قابلؔ اجمیری بھی ان محافل میں حافظؔ، سعدیؔ، بیدلؔ، داغؔ، مومنؔ اور بیدمؔ جیسے اساتذہ کا کلام سنتے اور اس سے حظ اُٹھاتے۔ اس ماحول کا اثر تھا کہ قابلؔ اجمیری اکثر قوالوں سے سنا ہوا کلام گنگناتے اور خود بھی مصرعے موزوں کر لیتے۔

ارمانؔ اجمیری کی شاگردی

۱۹۴۰ء میں جب درگاہ معلیٰ میں محفل سماع جاری تھی تو ایک بزرگ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ قابلؔ اجمیری اور ان کے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ اس بزرگ کو گھر تک چھوڑ آنا چاہیے تاکہ راستے میں ان کی طبیعت خراب ہونے سے انھیں کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ یہ بزرگ ارمانؔ اجمیری ہیں جو گدڑی شاہ بابا کے سجادہ نشین ہیں۔ گدڑی شاہ بابا، خواجہ اجمیری کے مزار کے مجاوروں میں سے تھے اور اجمیر میں چلّہ شریف پر ان کا قیام تھا۔ قابلؔ نے اُنھیں بتایا

کہ وہ بھی شعر کہتا ہے مگر میدانِ سخن میں ابھی نو وارد ہے۔ ارمانؔ اجمیری نے قابلؔ کو گلے لگایا اور ان کا ماتھا چوم لیا۔ قابلؔ اجمیری کی ارمانؔ اجمیری سے ملاقات ایک ایسا واقعہ تھا جس نے قابلؔ اجمیری کی زندگی کا رُخ موڑ دیا۔

اب قابلؔ اجمیری تواتر سے اپنے دوست شاعر امیرؔ چشتی کے ہمراہ ہر شام ارمانؔ اجمیری کے ہاں جاتے اور اُنھیں اپنا تازہ کلام سناتے۔ ارمانؔ اجمیری بھی بڑی محبت اور توجہ سے قابلؔ کا کلام سماعت فرماتے اور جہاں ضرورت ہوتی اصلاح فرما دیتے۔ ارمانؔ اجمیری کے شاگردوں کی تعداد کافی تھی جن میں باسط ارمانؔی، انداز ارمانؔی، ممتاز ارمانؔی، قادرؔ اکبر آبادی اور غفار اجمیری نمایاں تھے۔ ارمانؔ اجمیری ریلوے کے محکمے میں ہیڈ کلرک تھے وہ دن بھر کے کام سے تھکے ہارے گھر لوٹتے تو شاگرد، ان کا انتظار کر رہے ہوتے۔ قابلؔ ہر روز کئی غزلیں لکھ کر لے جاتے اور ارمانؔ صاحب کے حوالے کر آتے لیکن اب وہ قابلؔ کے کام کو اس توجہ سے نہ دیکھ پاتے۔ اس کے باوجود قابلؔ ان سے وابستہ رہے اور ان کے نام پر ''بزم ارمان'' نامی ادبی تنظیم وجود میں آئی تو قابلؔ اس تنظیم کے فعال رکن تھے۔ ارمانؔ اجمیری کے زیرِ سایہ قابلؔ تین سال تک مشقِ سخن کرتے رہے۔

۱۹۴۴ء میں نصیر آباد چھاؤنی میں ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ اس مشاعرے میں اجمیر کی ہر ادبی تنظیم کے شعرا شریک ہوئے۔ بزم ارمان کے شعرا بھی اس مشاعرے میں شریک تھے۔ بزمِ ارمان سے وابستہ کچھ طالب علموں نے شعرا پر جملے کسنے شروع کئے جس سے صورت حال خراب ہونا شروع ہوگئی۔ افقؔ اجمیری کی معیت میں آنے والے شعرا نے قابلؔ اجمیری اور ان کے ساتھی شعرا پر ہلّہ بول دیا۔ مشاعرے کے منتظمین نے صلح صفائی کرا دی لیکن بعد ازاں معاملہ ملکی سطح کا ادبی تنازعہ بن گیا۔

www.urduchannel.in

مولانا عبدالباری معنیؔ کی شاگردی

قابلؔ اجمیری نے بزم ارمان کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ کر اس تنظیم سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مولانا عبدالباری معنیؔ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ مولانا عبدالباری معنیؔ خانوادۂ چشتیہ کے نامور سپوت تھے۔ آپ عربی زبان کے جید عالم اور قرآن و حدیث کے محقق تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا معنیؔ کی اجمیر میں آمد کے بعد یہاں کی ادبی فضا یکسر بدل گئی۔ اجمیر میں انجمن ترقیِ اردو کا دفتر قائم ہو گیا اور معنیؔ صاحب کی قیادت میں اہلِ اجمیر کا علمی و ادبی سفر شروع ہوا۔ قابلؔ نے بھی معنیؔ صاحب کی شاگردی اختیار کی۔ معنیؔ نے کس طرح قابلؔ کی رہنمائی کی ہامی بھری، اس کا احوال ''قابلؔ اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری'' کے مقالہ نگار سید محمد تسلیم یوں بیان کرتے ہیں:۔

> ''قابلؔ صاحب بزمِ ارمان کی سازشوں اور ریشہ دونیوں سے اُکتا چکے تھے۔ صوفی ارمان صاحب بھی دفتری مصروفیات کے باعث اصلاح کے لیے بہت کم وقت نکال سکتے تھے جب کہ قابلؔ کو اندازِ بیان کی نئی وسعت کی ضرورت تھی اور ان کی نگاہیں کسی نئے راہبر کی متلاشی تھیں۔ یہ کام ان کے خاص دوست اور رفیقِ کار جناب پیکر واسطی نے انجام دیا۔ وہ ان کو لے کر مولانا باری کے دولت کدے پر پہنچ گئے اور مولانا سے درخواست کی کہ اپنے تلامذہ میں انھیں بھی شامل کر لیں۔ معنیؔ صاحب کسی کو مشورۂ سخن دینے پر کبھی تیار نہ ہوتے تھے لیکن پیکر صاحب کے اصرار پر ان کو یہ مطالبہ منظور کرنا پڑا'' (۵)

معنیؔ صاحب کی شاگردی میں آنے کے بعد قابلؔ کے شعری سفر کی سمت متعین ہو گئی۔ اب وہ پختہ شعر کہنے والے شعرا کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ قابلؔ کو مطالعے کا شوق تھا اور مطالعہ ان کی ضرورت بھی تھی اس لیے اُنھوں نے معنیؔ صاحب کے کتب خانے سے جو تقریباً پانچ

ہزار کتب پر مشتمل تھا، خوب استفادہ کیا۔ قابلؔ مشقِ سخن کے طور پر ہر روز ایک غزل کہتے اور مولانا معنیؔ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے۔ مولانا معنیؔ اس غزل کو پہلے عروضی لحاظ سے پرکھتے، اس کے بعد اس کے معنوی خصائص پر بات کرتے۔ اس طرح بہت کم مدت میں قابلؔ کے کلام میں پختگی آنا شروع ہوگئی۔

شعری سفر کا باقاعدہ آغاز

۱۹۴۴ء میں معینیہ اسلامیہ ہائی سکول اجمیر میں کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ قابل اجمیریؔ نے اس مشاعرے میں مولانا عبدالباری معنیؔ کی معیت میں شرکت کی۔ اس مشاعرے میں شرکت کے وقت قابلؔ اجمیری کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ گویا قابل اجمیریؔ صرف تیرہ چودہ برس کی عمر میں باقاعدہ شعر کہنے لگے تھے۔ اس مشاعرے میں ہندوستان کے نامور شعرا نے شرکت کی جن میں جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، ساغر نظامی اور سیماب اکبر آبادی شامل تھے۔ اس مشاعرے میں شرکت سے قابلؔ کا باقاعدہ شعری سفر شروع ہوا۔ قابلؔ اجمیری نے اس مشاعرے میں درج ذیل غزل سنائی:

اب یہ عالم ہے کہ غم کی بھی خبر ہوتی نہیں
اشک بہہ جاتے ہیں لیکن آنکھ تر ہوتی نہیں

پھر کوئی کم بخت کشتی نذرِ طوفاں ہوگئی
ورنہ ساحل پر اُداسی اس قدر ہوتی نہیں

تیرا اندازِ تغافل ہے، جنوں میں آج کل
چاک کر لیتا ہوں دامن اور خبر ہوتی نہیں

میری نظریں جرأتِ نظارہ کی مجرم سہی
احتیاطِ حسن تم سے بھی مگر ہوتی نہیں

رنگِ محفل چاہتا ہے اِک مکمل انقلاب
چند شمعوں کے بھڑکنے سے سحر ہوتی نہیں

اضطرابِ دل سے قابلؔ وہ نگاہِ بے نیاز
بے خبر معلوم ہوتی ہے مگر ہوتی نہیں

اب قابلؔ اجمیری کو بیرونی مشاعروں میں شرکت کی دعوتیں ملنا شروع ہوگئیں تھیں۔۱۹۴۴ءمیں ہی قابلؔ اجمیری نے اندور، بھوپال اور کھنڈوہ کے مشاعروں میں شرکت کی۔ ۱۹۴۵ءمیں مولانا عبدالباری معنؔی کی صدارت میں نصیرآباد میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا جس میں قابلؔ بھی شریک تھے۔

محبت کا ناخوش گوار تجربہ

قابلؔ کی زندگی پر ان کی ایک ناکام محبت نے بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔قابلؔ کے دادا اجمیر کے جس مکان میں رہتے تھے اس کے دو حصے تھے۔اُنھوں نے گھر کا بالائی حصہ عبدالرحمٰن عرب کو کرائے پر دے رکھا تھا۔عبدالرحمٰن عرب کی ایک لڑکی جس کا نام عطیہ تھا، قابلؔ کی ہم عمر تھی۔قابلؔ نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو وہ عبدالرحمٰن عرب کی صاحبزادی کے حسن و جمال پر فدا ہوگئے۔

عرب صاحب سے قابلؔ کے لیے عطیہ کا ہاتھ مانگا گیا مگر وہ اس رشتے پر راضی نہ

ہوئے۔عبدالرحمٰن عرب نے قابلؔ کو گود کھلایا تھا اور وہ اس کے نام و نسب سے بھی واقف تھے اس لیے ان کے پاس اس رشتے کو رد کرنے کا کوئی بہانہ نہ تھا مگر اُنھوں نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ قابلؔ بے روزگار ہے اور جب تک اس کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہوتا، میں اپنی بیٹی اس کے عقد میں نہیں دے سکتا۔ بعد ازاں جب عطیہ کے لیے عرب صاحب کے کسی عزیز کا مناسب رشتہ آیا تو اُنھوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے بیٹی کی شادی کر دی اور یوں یہ قصہ تمام ہوا۔ قابلؔ نے اس واقعے کا نہ صرف گہرا اثر لیا بلکہ عرب صاحب کے لیے ان کے دل میں میل بھی آ گیا۔

لیکن بات یہاں ہی ختم نہ ہوئی۔ جب معنیؔ صاحب کو پتا چلا کہ عبدالرحمٰن عرب نے قابلؔ کے لیے مانگے گئے رشتے سے انکار کر دیا ہے تو اُنھیں اس بات کا بہت دکھ ہوا۔ مولانا عبدالباری معنیؔ اپنے شاگردِ خاص قابلؔ اجمیری کو تڑپتا ہوا نہ دیکھ سکے اور اُنھوں نے عرب صاحب کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ پوسٹر چھپوا کر یہ مشہور کر دیا گیا کہ عبدالرحمٰن عرب دراصل یہودی ہیں اور اُنھوں نے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ عرب صاحب کو عبداللہ بن سبا کا پیرو بتایا گیا اور کسی وعظ میں ان کی اموی حضرات کی طرف داری کو وجۂ تنازعہ بنا دیا گیا۔

عبدالرحمٰن عرب کے خلاف جس جنگ کا آغاز معنیؔ اجمیری نے کیا تھا وہ طول پکڑ گئی۔ عبدالرحمٰن عرب کو سرِ بازار پیٹا گیا تو اُنھوں نے عدالت میں مقدمہ درج کروا دیا۔ مقدمہ بازی سے تنگ آ کر عرب صاحب خود ہی مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ جون ۱۹۴۳ء میں پہلا مقدمہ ختم ہوا تو عرب صاحب پر توہین رسالت کا مقدمہ درج ہو گیا۔ دو سال قبل شائع ہونے والی ان کی کتاب سیرت رسول ﷺ میں کوئی نازیبا بات درج تھی۔ عرب صاحب نے اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے کئی حوالے عدالت میں پیش کیے مگر یہ حوالے زیادہ تر مغربی مصنفین کے تھے اس لیے رد کر دیے گئے۔ عرب صاحب کو یہاں بھی ہزیمت اٹھانا پڑی اور اُنھوں نے عدالت میں معافی نامہ داخل کرا کے جان چھڑائی۔

عبدالرحمٰن عرب پر تیسرا الزام مدینہ فنڈ کا تھا۔ اہلِ مدینہ کے لیے لوگوں سے یہ کہہ کر

www.urduchannel.in

رقم اکٹھی کی تھی کہ یہ مدینہ بھجوائی جائے گی۔ معتنی صاحب نے امامِ مسجدِ نبوی سے اس کی تحریری طور پر تصدیق کرائی کہ ایسی کوئی رقم سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اہل مدینہ کو نہیں بھجوائی گئی۔ لوگوں نے عرب صاحب سے رقم کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا اور ایک روز مسجد میں یہ مطالبہ اتنا زور پکڑ گیا کہ نقص امن کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ اب عرب صاحب کا اجمیر میں رہنا مشکل ہو گیا۔ اُنھوں نے صندلی مسجد کی امامت چھوڑی اور اپنے وطن عراق کی راہ لی۔ قابلؔ کو اپنی محبت نہ مل سکی مگر اس رشتے سے انکار کرنے والے عرب صاحب کو بھی رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

پاکستان میں آمد

۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قابلؔ اجمیری نے تن تنہا پاکستان کا رُخ کیا۔ ان کے دادا دادی اور بھائی ابھی تک اجمیر میں اپنے موروثی مکان میں ہی رہائش پذیر تھے۔ قابلؔ اجمیر سے چار میل دور واقع ریلوے سٹیشن پہنچے اور وہاں سے بذریعہ ریل مارواڑ جنکشن پہنچے۔ مارواڑ کی ٹکٹ آپ کو رئیس فیاض حسین نے خرید کر دی اور ساتھ میں سو روپے راستے کے اخراجات کے لیے بھی دیے۔

مارواڑ میں آپ کو نظام دکن کا جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا تاہم ضروری پوچھ گچھ کے بعد آپ کو رہائی مل گئی کیونکہ آپ کے پاس سے سوائے چند غزلوں اور نظموں کے کچھ برآمد نہ ہوا۔ دسمبر کے آخری دنوں میں دیگر مہاجرین کے ہمراہ آپ حیدر آباد سندھ کے ریلوے سٹیشن پر آ پہنچے۔ رات سٹیشن کے سامنے میونسپل باغ میں گزاری۔ چند دن اسی باغ میں بسر کرنے کے بعد ٹنڈو محمد خان روڈ حیدر آباد پر واقع حرا سکول میں قائم مہاجر کیمپ میں آ گئے۔

اس کیمپ میں عمائدین شہر کی طرف سے کھانا مہیا کیا جاتا تھا۔ بستر کا بھی بندوبست تھا۔ کچھ عرصہ بعد قابلؔ کے دادا دادی اور بھائی بھی ہجرت کر کے پاکستان آئے اور اسی کیمپ کے مہمان بنے۔ یوں قابلؔ اجمیری اپنے خاندان کے ہمراہ کچھ عرصہ اس مہاجر کیمپ میں رہے۔

مستقل سکونت

مہاجرکیمپ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد قابلؔ اوراس کے خاندان نے مستقل رہائش کے لیے مکان تلاش کرنا شروع کیا مگر پگڑی کے بغیر مکان کہاں سے ملتا۔قابلؔ کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ پگڑی ادا کر سکتے چنانچہ اکثر مہاجرین کی طرح اُنھوں نے بھی چھوٹکی گھٹی کے ایک سہ منزلہ خالی گھر پر قبضہ جمایا اوراس میں رہنا شروع کردیا۔یہ مکان تنگ وتاریک گلیوں کے بیچ واقع تھا،قابلؔ مجلسی آدمی تھےجن کے ہاں لوگوں کا بہت آنا جانا تھا۔قابلؔ نے یہ مکان چھوڑااورسٹیشن روڈ پرسیمنٹ بلڈنگ کےایک خالی مکان میں جاکر رہنا شروع کردیا۔

قابلؔ کی غیرموجودگی میں کچھ خواتین اس مکان پر قابض ہوگئیں اوراس طرح اُنھیں اس مکان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔آزادمیدان حیدرآباد میں گروسنگت کی وسیع عمارت خالی پڑی تھی۔اس عمارت کاایک بیرونی کمرہ مکان نما بیٹھک تھاجس کے سامنے چائے کا سٹال تھااور یہاں سے پان بھی ہروقت مل جاتا تھا۔سکھوں نے جُوں ہی اس عمارت کوخالی کیا قابلؔ نے ایک کمرے پر قبضہ جمالیا۔

اب قابلؔ صاحب کو چندکرسیاں اورایک پلنگ بھی مل گیا تھااورگروسنگت کے عقب میں اختر ہوٹل بھی کھل چکا تھا۔نہ کھانے کا مسئلہ نہ چائے پان کی دستیابی کی فکر۔ایک شاعرکواس سے بڑھ کراور کیا چاہیے۔سونے پر سہاگہ یہ کہ اس ہوٹل کا مالک قابلؔ صاحب کی شاعری کا قدردان بن چکا تھااوروہ قابلؔ صاحب کوادھار پرکھانا مہیا کرنے میں تامل نہ برتتا۔قابلؔ اجمیری نے ۱۵سال تک اس گھر میں قیام کیا۔بعدازاں وہ سرفراز کالونی اردوبازارلطیف آبادنمبر۴ منتقل ہوگئے جہاں وہ اپنی زندگی کے آخری دن تک رہے۔

اداکاری کا شوق

لڑکپن میں عشق کے ساتھ ساتھ قابلؔ کواداکاری کا بھی جنون رہا۔ایک دفعہ وہ مولانا ماہرالقادری

www.urduchannel.in

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فلمی لائن اختیار کرنے کے لیے ان سے مدد مانگی۔ قارئین کے لیے یہ بات دلچسپی کی حامل ہوگی کہ مولانا ماہر القادری مدیر ''فاران'' کسی زمانے میں بمبئی میں فلمی دنیا سے وابستہ رہے تھے اور وہ فلموں کے لیے کامیاب گیت نگاری کرتے تھے۔ مولانا ماہر القادری نے قابل اجمیری کے اداکار بننے کے واقعے کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

> ''یہ اب سے سترہ برس پہلے کی بات ہے کہ ایک دن شام کو تین چار نوجوان آئے، علیک سلیک کے بعد مصافحہ کیا، ان میں سے ایک صاحب بولے میں فلمی لائن اختیار کرنا چاہتا ہوں آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔ میں نے اس پر لمبا چوڑا لیکچر دے ڈالا۔ اس پر وہ نوجوان ایک خاص تاثر کے ساتھ بولا ''جی یہ تو میری موت اور زندگی کا سوال ہے، مجھے اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو میں خودکشی کر لوں گا'' اس پر سب لوگ مسکرانے لگے۔ اس واقعہ کے دو اڑھائی سال بعد ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی۔ انہی دنوں دفتر ''فاران'' میں ایک صاحب تشریف لائے اور کہا کہ میں اجمیر کا رہنے والا ہوں، قابلؔ تخلص ہے۔ آپ سے حکیم نصیر میاں کے مکان پر ملاقات ہوئی تھی۔ اُنھوں نے پھر اپنی کئی غزلیں سنائیں، اب نہ وہ فلم کا تذکرہ تھا نہ کوئی اس قسم کی اور بات تھی'' (۶)

بیماری کی تشخیص

تپِ دق کا مرض قابلؔ اجمیری کو ورثے میں ملا۔ آپ کے والدین بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر دنیا سے رُخصت ہوئے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں ڈاکٹری معائنے کے بعد پتا چلا کہ قابلؔ بھی اس خطرناک بیماری کا ہدف بن چکے ہیں۔ بیماری ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی اس لیے فوراً علاج کیا گیا اور قابلؔ روبہ صحت ہونے لگے۔ روزنامہ آفتاب حیدر آباد (سندھ) نے اپنی ۱۶ نومبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں درج ذیل سرخی جمائی۔

> ''ادبی حلقوں میں یہ خبر انتہائی مسرت سے سنی جائے گی کہ قابلؔ اجمیری

www.urduchannel.in

جو کہ چند ماہ کے عرصہ سے تپِ دق کے عارضے میں مبتلا ہیں، ان کے لیے سید رضا علی صاحب مالک سندھ آئل ملز نے اسٹرپٹومائی سین کے انجکشن کے پورے کورس کا انتظام فرما دیا ہے اور جناب قابلؔ اجمیری اب روبہ صحت ہیں'' (۷)

علاج چلتا رہا، کبھی کچھ افاقہ بھی ہو جاتا لیکن قابلؔ مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو سکے۔ پیر علی محمد راشدی وزیر مالیات سندھ اور قاضی محمد اکبر وزیر تعلیم و اطلاعات سندھ نے علاج کے لیے مالی امداد کا یقین دلایا لیکن اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ بعد ازاں یہ خبر بھی اخبارات میں شائع ہوئی کہ سندھ حکومت کی جانب سے قابلؔ صاحب کو علاج کی غرض سے اطالیہ بھجوانے کا فیصلہ کیا گیا ہے مگر حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوا اور قابلؔ کو سول ہسپتال حیدرآباد سے معائنے کے بعد ۲۱ جون ۱۹۵۶ء کو فاطمہ سینی ٹوریم کوئٹہ بھجوا دیا گیا۔ ایک سال کے مسلسل علاج کے بعد ۱۱ جون ۱۹۵۷ء کو انھیں ہسپتال سے خارج کر دیا گیا جب کہ بیماری کے آثار ابھی باقی تھے۔ ۱۹۶۰ء میں قابلؔ دوبارہ اسی ہسپتال میں داخل کرا دیے گئے۔

شادی

۱۹۶۰ء میں قابلؔ جب دوبارہ کوئٹہ سینی ٹوریم میں داخل ہوئے تو ان کی ملاقات محترمہ نرگس سوسن سے ہوئی جو اسی ہسپتال میں نرس کے فرائض انجام دے رہی تھیں اور مسیحی مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ نرگس نے ہسپتال میں بیماری کے دوران قابلؔ کا بہت خیال رکھا۔ ویسے تو بحیثیت نرس یہ ان کے فرائض میں شامل تھا کہ ہر بیمار کا خیال رکھیں لیکن قابلؔ کی مرنجان مرنج طبیعت کی وجہ سے نرگس ان سے مانوس ہوتی چلی گئی۔ قابلؔ سے نرگس کی قربت کی وجہ قابلؔ کی شاعری بھی تھی۔ قابلؔ نے اپنا سو اشعار پر مشتمل مجموعہ نرگس کو مطالعے کے لیے پیش کیا تو اسے قابلؔ کے درد والم سے آگاہی ہوئی۔ قابلؔ بھی پہلے سے زیادہ نرگس کی طرف متوجہ ہونے لگے اور یوں یہ

www.urduchannel.in

واقفیت محبت میں تبدیل ہوگئی۔

نرگس کی توجہ اور دیکھ بھال نے قابل کو بھی جینے کا حوصلہ بخشا۔ وہ اپنے دُکھ بھول کر زندگی کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ یہ قُرب آخر کار شادی پر منتج ہوا۔ نرگس نے اسلام قبول کیا اور یکم اپریل ۱۹۶۰ء کو دونوں کی شادی ہوگئی۔

توصیف چغتائی نے بیگم قابل سے ہونے والی گفتگو کو اپنے ایک مضمون کا حصہ بنایا جس میں بیگم قابل نے قابل اجمیری سے پہلی ملاقات کا احوال بیان کیا۔ توصیف چغتائی لکھتے ہیں:۔

> قابل صاحب سے ان کی ملاقات کوئٹہ کے ریلوے سینی ٹوریم میں ۱۹۶۰ء میں ہوئی تھی۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ شاعر یاس و آس کا شکار ہے اور اس کے حالات نازک ترین ہیں، تب اُنھوں نے شاعر کو موت کے منہ سے بچانے کا پورا عزم کر لیا اور دن رات اس کی صحت یابی کے لیے کوشش کرتی رہیں یہاں تک کہ شاعر نے کروٹ لی اور محسوس کیا کہ اس کا کھویا ہوا اعتماد پھر واپس آگیا ہے۔'' (۸)

تپِ دق نے قابل اجمیری کو کھوکھلا کر دیا تھا لیکن نرگس کی دیکھ بھال اور انسیت دیکھ کر قابل نے زندگی کو آواز دی اور موت کو شکست دینے کی ٹھانی۔ وہ قابل کو کوئٹہ سینی ٹوریم سے حیدر آباد لے آئی۔ اب قابل حالات سے جنگ کرتے وقت اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ اب اس کی شریک حیات تھی جو ایک طرف اس کی مسیحائی میں مصروف تھی تو دوسری طرف اس کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر تلخی ایام کو کم کرنے میں مصروف تھی۔

اولاد

قابل کو جینے کا حوصلہ اس کی بیگم نرگس نے دیا مگر اولاد ہو جانے کے بعد قابل میں جینے کی امنگ

www.urduchannel.in

پیدا ہوگئی کیونکہ اب اس کی زندگی کے سے دو اور زندگیاں وابستہ ہو چکی تھیں۔ بیگم قابؔل اپنے ایک انٹرویو میں اپنی اکلوتی اولاد کے بارے میں بتاتی ہیں:

> ''میں نے سوچا کہ شاید میرا سہارا ان کی مایوس زندگی میں نئے خواب بکھیر دے چنانچہ میں نے ان سے شادی کر لی۔ حالات کسی حد تک خوشگوار ہو گئے، ہم لوگ کوئٹہ سے حیدرآباد چلے آئے، قابؔل صاحب کو میں نے گھر پر ہی رکھا اور علاج برابر جاری رہا۔ اسی عرصہ میں ہمارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام قابؔل صاحب نے روشن ضمیر رکھا''(۹)

بیگم قابؔل کے ہاں یہ بچہ ۳، اکتوبر ۱۹۶۱ء کو پیدا ہوا۔ ٹھیک ایک سال بعد اسی تاریخ یعنی ۳، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو قابؔل کا انتقال ہو گیا۔ بچے کی سالگرہ کے دن قابؔل صاحب کا انتقال محض ایک اتفاق تھا بہرحال اسے براشگون سمجھتے ہوئے لوگوں نے بیگم قابؔل کو بیٹے کا نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک پیئے کے مصداق بیگم قابؔل نے بیٹے کا نام تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ راقم سے گفتگو کے دوران قابؔل کے بیٹے نے تبدیلیٔ نام کے بارے میں بتایا:

> میری والدہ بتاتی ہیں کہ میری پہلی سالگرہ کے دن میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعے کو براشگون سمجھتے ہوئے لوگوں نے میری والدہ کو میرا نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ والدہ نے اس مشورے کو موزوں جانا اور سکول میں داخلے کے وقت میرا نام روشن ضمیر کے بجائے ظفر قابل لکھوا دیا اور یوں میں روشن ضمیر سے ظفر قابل ہو گیا۔(۱۰)

روزگار

قابؔل تمام عمر غمِ جاناں اور غمِ روزگار کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے رہے۔ روزگار نہ ہونے کی وجہ سے

www.urduchannel.in

عبدالرحمٰن عرب نے قابلؔ کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہ دیا اور یوں اُنھیں نہ صرف اپنی محبت نہ مل سکی بلکہ ان کے مسائل میں بھی دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جب بیماری کی تشخیص ہوئی تو قابلؔ کسی کام کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔ اس کے باوجود اُنھوں نے جسم و جاں کا ربط برقرار رکھنے کے لیے کچھ عرصہ عرائض نویسی کی اور صحافت میں بھی ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔

قابلؔ اجمیری جب پاکستان آئے تو ان کے دیرینہ ساتھی پیکر واسطی روز نامہ ''جاوید'' کے چیف ایڈیٹر تھے۔ پیکر واسطی کے کہنے پر آپ نے روز نامہ ''جاوید'' میں قطعہ نگاری شروع کر دی اور یوں آپ کو ایک معقول رقم بطور معاوضہ ملنا شروع ہوگئی۔ آپ روز نامہ ''آفتاب'' میں بھی قطعہ نگاری کرتے رہے۔ آپ نے محدود پیمانے پر ایک پریس بھی قائم کیا جو پاکستان پریس کے نام سے کام کرتا رہا تاہم یہ پریس بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔

قابلؔ کی گزراوقات زیادہ تر مشاعروں کے معاوضوں پر ہوتی رہی۔ شادی کے بعد ان کی بیگم اپنی ملازمت سے ملنے والی رقم سے گھر چلانے لگیں۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد اخراجات میں اضافہ ہونے لگا مگر قابلؔ کو بیماری نے کچھ نہ کرنے دیا اور وہ تاعمر غمِ روزگار میں مبتلا رہا۔

وفات

قابلؔ اجمیری نے اپنے آخری دن سرفراز کالونی اردو بازار لطیف آباد نمبر۴ حیدر آباد میں گزارے۔ آپ نے ۳، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔ (۱۱) قابلؔ کی بیماری اور وفات کا تذکرہ بیگم قابلؔ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''قابلؔ صاحب کو میں نے گھر ہی پر رکھا تھا اور اب وہ پہلے کی نسبت اچھے ہوتے جا رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارے بچے کی پہلی سالگرہ تھی۔ میں خوش تھی، وہ بھی خوش تھے لیکن اچانک اُنھوں نے خون تھوکا۔ میں گھبرا کر ہسپتال کی جانب دوڑی اور ایمبولینس لے کے آئی لیکن جب گھر

پہنچی تو ان کی حالت بہت نازک تھی۔ میں نے فوراً ان کے دوستوں کی مدد
سے اُنھیں ہسپتال پہنچانا چاہا، جلدی جلدی میں ہم لوگ اُنھیں لے کر ہسپتال
کی جانب بڑھے لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ مجھے ہر لمحہ یوں محسوس ہو رہا
تھا جیسے لوگ ضرورت سے زیادہ گھبرائے ہوئے ہیں اور قابلؔ صاحب کہیں
ان کے ہاتھوں سے گر نہ جائیں۔ اور چند لمحوں بعد یوں ہی ہوا۔ قابلؔ
صاحب ان لوگوں سے سنبھل نہ سکے اور زمین پر آ رہے۔ خون کافی مقدار
میں پہلے ہی بہہ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر میری چیخ نکل گئی، اُنھوں نے مجھے دیکھا اور
دھیمی آواز میں پکارا اور پھر ان کا سر دوسری جانب ڈھلک گیا'' (۱۲)

تمام عمر موت سے لڑنے والا بالآخر موت سے شکست کھا چکا تھا۔ خوب صورت غزلیں تخلیق کرنے والا قابلؔ اجمیری ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکا تھا۔ اس کی لاش پر اس کی بیگم کے علاوہ کوئی رونے والا نہ تھا۔ اس کے ایک سال کے بیٹے کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ یتیم ہو چکا ہے البتہ اردو غزل ضرور ماتم کناں تھی کہ وہ ایک عظیم غزل گو سے محروم ہو چکی تھی۔ قابلؔ اجمیری کی موت کے بعد کا احوال سید محمد تسلیم نے یوں بیان کیا:۔

''قابلؔ صاحب کا جنازہ احباب کی خواہشات کے مطابق گرو سنگت لے
جایا گیا۔ اس کمرے میں غسل دیا گیا جہاں اُنھوں نے زندگی کے پندرہ
سال گزارے۔ جامع مسجد آزاد میدان ہیر آباد کے پیش امام نے نماز جنازہ
پڑھائی۔ یہ وہی پیش امام تھے جنھوں نے مدرسہ عثمانیہ کے مکتب میں قابلؔ
صاحب کو قاعدہ بغدادی پڑھا کر تعلیم کی ابتدا کی تھی۔ رات کے دس بجے
جنازہ ہالہ روڈ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا'' (۱۳)

قابلؔ صاحب کو حیدر آباد کے پھلیلی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ میں نے اپنی حیدر آباد تعیناتی کے دوران میں ان تمام جگہوں کا دورہ کیا جہاں قابلؔ اجمیری نے مختلف اوقات میں قیام

www.urduchannel.in

کیا۔اکثر مقامات پر مرزا سلیم بیگ میرے ہمراہ تھے۔ایک مقام پر جب ہم نے ایک بزرگ سے جونماز سے فراغت کے بعد مسجد سے نکل رہے تھے، قابلؔ کی زندگی کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تو وہ آگ بگولہ ہو گئے اور فرمانے لگے ''وہ خون تھوکتے مر گیا اور اب آپ لوگ اس کے بارے میں معلومات لینے آ پہنچے'' یہ غم و غصہ قابلؔ سے لوگوں کی بے پناہ محبت کا ثبوت تھا۔

بیگم قابل کی وفات

نرگس سوسن ۱۹۶۰ء میں اسلام قبول کرنے کے بعد قابلؔ اجمیری کے نکاح میں آئیں۔۳، اکتوبر ۱۹۶۱ء کو اللہ نے اُنھیں اولادِ نرینہ سے نوازمگر ایک سال بعد یعنی ۳، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو قابلؔ اجمیری کا بلاوا آ گیا۔بیگم قابلؔ کوئی عام خاتون نہ تھیں جو وقت کے آگے ہتھیار ڈال دیتیں۔اُنھوں نے نہ صرف قابلؔ اجمیری اور اپنے بیٹے روشن ضمیر (ظفر قابل) کی پرورش کی بلکہ مسیحا بن کے لوگوں کی خدمت بھی جاری رکھی۔

بیگم قابل ۱۹۹۶ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئیں۔ان کی آخری تعیناتی ریلوے ہسپتال سکھر میں تھی۔بیگم قابلؔ نے قابلؔ اجمیری کے مجموعۂ کلام کی اشاعت کے لیے مالی تعاون کیا اور قابلؔ اجمیری کی وہ خواہش پوری کی جو ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی تھی۔قابلؔ اجمیری کے دونوں مجموعے اور کلیات بیگم قابلؔ کی زندگی میں شائع ہوئے۔بیگم قابلؔ نے ۲، اگست ۲۰۰۱ء کو وفات پائی۔(۱۴) ''کلیات قابل اجمیری'' دوبئی میں ''جشنِ قابل'' (۱۹۹۲ء) کے موقع پر لاہور سے ممتاز شاعر شہزاد احمد نے مرتب کی اور جاوید طفیل مدیر ''نقوش'' نے اپنے طور پر مفت چھاپ کر اپنے دوست تسلیم جعفری کو دے دی جو ''جشنِ قابل'' کے موقع پر شرکا کو اعزازی طور پر بھی پیش کی گئی۔اس تقریب میں قابل اجمیری کے صاحبزادے ظفر قابل خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے۔

www.urduchannel.in

شخصیت

کسی بھی تخلیق کار کے فن کو پرکھنے کے لیے اس کی شخصیت کا جائزہ لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔شخصیت کیا ہے؟اس کی تعریف کیسے کی جائے؟ یہ وہ اہم سوالات ہیں جن کا جواب جاننا ضروری ہوتا ہے۔ان سوالات کا جواب ماہرین نفسیات ہی بہتر طور پر دے سکتے ہیں۔ماہرین نفسیات نے شخصیت کی متعدد تعریفیں بیان کی ہیں۔مشہور ماہرِ نفسیات گورڈن آلپورٹ (Gordon Allport) کے مطابق:

> ''شخصیت فرد کی ذات کے اندرون نفسی،عضوی نظاموں کی حرکی تنظیم ہے جواس کے منفرد فکروعمل کا تعین کرتے ہیں''

ایک اور ماہرِ نفسیات آرتھر تھامس جرسلد (Arthur Thomas Jersild) کے نظریے کے مطابق:

> ''شخصیت فرد کی ان خصوصیات کا مجموعہ ہے جن کا وہ بحیثیت ایک منفرد اور مخصوص انسان کے حامل ہے''

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی فرد کی شخصیت اس کے نفسی کوائف،باطنی خصوصیات،فطری رجحانات اور داخلی جبلتوں کے باہمی اشتراک سے جنم لیتی ہے۔کسی کی شخصیت کو جاننے اور پرکھنے کے لیے ہم مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرتے ہیں مثلاً خاندانی ذرائع،دوست احباب،خاندانی معالج اور دیگر قریبی لوگ۔کسی بھی شخصیت کی تعمیر میں اس کا ماحول،خاندان،دوست اور خود انسان کی عادات واطوار بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

کسی شاعر یا ادیب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے بغیر اس کے فن کو نہیں پرکھا جا سکتا۔تخلیق کار کا خارجی اور داخلی ماحول اس کی تخلیقات پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ان اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ہم نفسیاتی تنقید کا سہارا لیتے ہیں۔قابلؔ اجمیری کی شخصیت کو جاننے کے لیے بھی ہم ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی

www.urduchannel.in

شخصیت کے مستور گوشے ہم پر کھلتے ہیں۔

قابلؔ اجمیری ایک نہایت پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ بچپن سے ہی ان کی معصومیت لوگوں کے لیے جاذبِ نظر تھی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو عبدالرحمٰن عرب کی بیٹی ''عطیہ'' سے آنکھ لڑ گئی اور بیماری کی حالت میں ان کی تیمارداری کرنے والی نرس ان پر فریفتہ ہونے لگی جو بعد ازاں ان کی بیوی بن گئیں۔ ان کی شخصیت کی مقناطیسیت نے ان سے ایک بار ملنے والوں کو ہمیشہ کے لیے ان سے قریب کر دیا۔

قابل اجمیری کا رنگ سانولا تھا تاہم بیماری نے اس میں پیلاہٹ گھول دی۔ کشادہ پیشانی، روشن آنکھیں اور سر پر سلیقے سے سنوارے گئے بال بھلے لگتے تھے۔ بیماری اور غذا میں احتیاط کی وجہ سے آپ ہمیشہ دُبلے پتلے رہے۔ چہرے سے داڑھی اور مونچھیں ہمیشہ صاف رکھتے یعنی Clean Shave رہتے۔

کھانے میں ہمیشہ احتیاط برتتے، بکری کا گوشت ان کی مرغوب غذا تھی۔ بڑے جانور کا گوشت اُنھیں بالکل پسند نہ تھا۔ گوشت کے علاوہ کدّو شوق سے کھاتے تھے۔ پان کے رسیا تھے۔ تمباکو نوشی اور شراب نوشی سے ہمیشہ اجتناب کیا۔

شروع ہی سے خوش لباس تھے۔ دادا دادی کے ناز و نعم نے بھی اس عادت کو پختہ ہونے میں مدد دی۔ جوانی میں مشاعروں اور تقریبات پر جانے کے لیے اکثر کالے رنگ کی شیروانی اور پاجامہ پہنتے تھے۔ گھر میں کرتہ پاجامہ پہنا کرتے۔ کبھی کبھار پینٹ شرٹ کا بھی استعمال کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت کی کشش کا اظہار بیگم قابل نے ان الفاظ میں کیا:

"بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو بہت ہی پُرکشش ہوتی ہیں یا پھر یوں ہوتا ہے
کہ غموں کی پرچھائیاں پڑنے کے بعد بعض چہرے اور بھی نکھر جاتے ہیں'' (۱۵)

قابلؔ اجمیری ایک وضعدار آدمی تھے۔ دوستوں کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے اور ان کے ساتھ کیے گئے وعدوں کی پاسداری کرتے۔ ان کے ایک دوست

www.urduchannel.in

خادمی اجمیری لکھتے ہیں:۔

''وضعداری کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۵۲ء میں راقم الحروف کے زیر اہتمام مولانا انوار الحق نہال اجمیری کی صدارت میں بزم خادم کا سالانہ مشاعرہ ہوا جس میں قابلؔ صاحب کو بھی مدعو کیا گیا۔جنوری کا مہینا تھا سردی شباب پر تھی۔مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے مجھے خیال آیا، خدا کرے قابلؔ صاحب آج تشریف نہ لائیں،اس لیے کہ وہ بیمار ہیں اور آج سردی بہت زیادہ ہے۔یہ خیال دل میں گزرا تھا کہ دیکھتا ہوں قابلؔ صاحب ایک معمولی ٹھنڈی شیروانی میں ملبوس تشریف لا رہے ہیں۔قابلؔ صاحب کو اس عالم میں دیکھ کر دل بے چین ہو گیا۔میں نے کہا آپ نے غضب کیا،سردی میں بیماری کے باوجود گھر سے نکل پڑے تو حسبِ عادت مسکراتے ہوئے کہا'' کیسے ممکن تھا حضرت نہال کی صدارت میں مشاعرہ ہو،جس کا دعوت نامہ آپ کی جانب سے ملے،شرکت نہ کروں''(۱۶)

قابلؔ اجمیری نے زندگی نہایت خودداری سے بسر کی،تنگدستی اور عسرت کے باوجود کبھی کسی سے کوئی چیز طلب نہ کی۔اگر کسی نے کوئی چیز پیش بھی کی تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔مشاعروں کی آمدنی پر ہی گزارا کیا جو یقیناً زندگی گزارنے کے لیے ناکافی تھی۔ایک مرتبہ جگر مراد آبادی پاکستان تشریف لائے۔ان دنوں قابلؔ اجمیری کی طبیعت کافی خراب تھی۔جگر مراد آبادی قابلؔ کو دیکھنے ان کے گھر آ گئے۔جاتے ہوئے جگر مراد آبادی دانستہ طور پر اپنا بٹوہ قابلؔ کے گھر چھوڑ گئے،جس میں معقول رقم موجود تھی۔جگر مراد آبادی ان کی مدد کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ قابلؔ ان کی امداد قبول نہ کریں گے اس لیے اُنھوں نے بٹوہ قابلؔ کے ہاں چھوڑنے کا ارادہ کیا۔تھوڑی دیر بعد قابلؔ نے بٹوہ ایک آدمی کے ہاتھ یہ کہہ کر بھجوا

www.urduchannel.in

دیا کہ آپ غلطی سے یہاں بھول گئے۔ حالانکہ جگر صاحب نے دانستہ طور پر بٹوہ وہاں چھوڑا تھا اور شاید یہ بات قابلؔ کے علم میں بھی ہو مگر ان کی خودداری نے یہ گوارا نہ کیا۔

انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی قابلؔ کی شخصیت کا ایک روشن پہلو ہے۔ عبدالرحمٰن اجمیری کے بقول:

''میں بھی اس موذی مرض کا شکار ہو گیا تھا جس میں قابلؔ مبتلا تھے۔ جب قابلؔ صاحب کو معلوم ہوا تو آپ فوراً میرے پاس آئے اور نہایت اخلاق و محبت کے ساتھ میری ڈھارس بندھائی اور باوجود اس کے کہ آپ خود مریض تھے، میرے علاج کے سلسلے میں ہر طرح سے مدد کی'' (۱۷)

قابلؔ اجمیری سراپا اخلاص و محبت تھے۔ اگر کوئی ناراض ہو جاتا تو آپ خود اسے منانے چلے جاتے۔ ماسٹر الطاف حسین آپ کے دوست تھے۔ ایک دفعہ ماسٹر صاحب آپ سے ناراض ہو گئے، قابلؔ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی چاہی حالانکہ غلطی ہرگز قابلؔ صاحب کی نہ تھی۔ ماسٹر الطاف حسین آپ کے رویے سے بہت متاثر ہوئے۔

قابلؔ صاحب کے انتقال سے چند ماہ قبل میرپور خاص میں ایک مشاعرہ تھا۔ منتظمین نے کہا فنڈ کی کمی کی وجہ سے ہم قابلؔ صاحب کو اعزازیہ نہ دے پائیں گے مگر ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ قابلؔ اس مشاعرے میں ضرور شرکت کریں۔ قابلؔ صاحب نے بلا معاوضہ مشاعرے میں شریک ہو کر اسے کامیاب بنایا۔

ڈاکٹر ساجد امجد نے ایک واقعہ درج کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ قابلؔ صاحب حد درجہ قناعت پسند تھے۔ کبھی ضرورت سے زیادہ کی خواہش نہ رکھتے تھے۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے جہاں اُنھیں بہت کچھ حاصل ہو سکتا تھا لیکن اُنھوں نے قناعت پسندی اختیار کی اور ضرورت سے زائد مال اسباب اکٹھا نہ کیا۔ بقول ڈاکٹر ساجد امجد:

''قیام پاکستان کے وقت ایک متروکہ عمارت خالی پڑی تھی۔ وہ عمارت

اتنی بڑی تھی کہ بعد ازاں اس میں اورینٹل کالج کھول دیا گیا۔قابلؔ کے
ہاتھ وہ عمارت لگ گئی۔وہ چاہتے تو پوری عمارت پر قبضہ کر سکتے
تھے۔اپنے تصرف میں نہ بھی لاتے تو اسے فروخت کر کے یا کرائے پر
دے کر پیسے کما سکتے تھے۔دیکھا جائے تو یہ ان کا حق بھی تھا اس لیے کہ وہ
ایک چھوڑ دو دو مکان چھوڑ کر آئے تھے لیکن اُنھوں نے ایسا نہ کیا اور اس
عمارت کے صرف ایک کمرے پر قبضہ رکھا۔‘‘(۱۸)

قابلؔ اجمیری مجموعی طور پر ایک اچھے انسان تھے مگر ان کی شخصیت میں بھی کچھ کمزوریاں تھیں۔عام طور پر کسی کی وفات کے بعد اس کی کمزوریوں کو موضوع بنانا اچھا نہیں سمجھا جاتا مگر محقق کی یہ مجبوری ہوتی ہے کہ وہ تصویر کے دونوں رُخ دکھانے کا پابند ہوتا ہے۔قابلؔ صاحب کے بارے میں ڈاکٹر ساجد امجد کی درج بالا رائے اپنی جگہ صحیح ہوگی مگر قابلؔ اجمیری پر جامعہ سندھ حیدرآباد میں ۱۹۶۷ء میں سید محمد تسلیم کے لکھے ہوئے مقالے کے مطابق قابلؔ صاحب نے حیدرآباد پاکستان میں ہجرت کے بعد کئی گھروں پر قبضہ کیا۔سید محمد تسلیم اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:۔

’’مہاجرین نے ہندوؤں کے مکانات پر تالے توڑ توڑ کے رات کی
تاریکی میں قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ایک رات کی تاریکی میں قابلؔ
صاحب بھی چھوٹکی گھٹی کی ایک سہ منزلہ پختہ عمارت میں پہنچ گئے اور اس
میں براجمان ہو کر بیٹھ گئے منزل کا اوپری حصہ اُنھوں نے اپنے قریبی
عزیز کو دے دیا اور دوسری منزل میں دادا دادی چھوٹے بھائی کے ساتھ
خود براجمان ہو گئے۔‘‘(۱۹)

قابلؔ صاحب سیمنٹ بلڈنگ والے مکان پر بھی اسی طرح قابض ہوئے مگر بعد ازاں جب وہ کسی ضروری کام سے باہر نکلے تو اس مکان پر کچھ خواتین قابض ہو گئیں۔گروسنگت والے

www.urduchannel.in

مکان کے بارے میں بھی سید محمد تسلیم نے لکھا ہے:

''قابل صاحب نے حُرکیمپ کے مختلف خاندانوں کو جمع کیا اور رات کی تاریکی میں گروسنگت پر ہلہ بول دیا۔سکھ گروسنگت کو چھوڑ کر فرار ہو گئے ۔قابلؔ صاحب کو ایک کمرہ مل گیا جو بیٹھک نما تھا''(۲۰)

شاید اُس وقت مہاجرین کا یہی دستور تھا کہ جو مکان جہاں خالی ملے اس پر قبضہ کرلو یا یہ دستور قابلؔ اجمیری نے بھی اپنے طور پر بنا رکھا تھا۔اگر سید محمد تسلیم کے درج بالا اقتباس کو صحیح سمجھا جائے تو ڈاکٹر ساجد امجد کی یہ دلیل کمزور دکھائی دیتی ہے کہ قابلؔ صاحب ایک قناعت پسند آدمی تھے۔ڈاکٹر ساجد امجد قضیہ قابلؔ میں خود یہ لکھ رہے ہیں کہ قابلؔ صاحب کے پاس بیک وقت دو مختلف جگہوں پر دو مکانات تھے اور دونوں ان کے تصرف میں تھے۔ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں:

''قابلؔ اپنی بیوی کے ساتھ سرفراز کالونی کے مکان میں رہ رہا تھا کہ ایک دن اس میں آگ لگ گئی۔وہ پھر در بدر ہو گیا اور ینٹل کالج کا کمرہ اس کے پھر کام آیا اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ وہاں منتقل ہو گیا۔کچھ دن بعد وہ پھر سرفراز کالونی والے مکان میں منتقل ہو گیا''(۲۱)

قابلؔ صاحب کی شخصیت کا ایک اور کمزور پہلو یہ تھا کہ وہ کانوں کے کچے تھے۔اس کمزوری کا ذکر نظر کامرانی نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔قابلؔ صاحب کی شخصیت کے متعلق ان کے خیالات ملاحظہ ہوں:

''سانولی سلونی رنگت،کتابی چہرہ،روشن آنکھیں،چوڑی پیشانی،بال نہایت سلیقے سے جمے ہوئے،لہجہ دھیما،ہر وقت منہ میں پان،شیروانی میں ملبوس،سادہ مزاج اور سادہ لباس،کان کے کچے اور اور دل کے پکے''(۲۲)

ڈاکٹر کریم الدین احمد نے بھی اپنے ایک مضمون میں قابلؔ اجمیری کے

متعلق لکھا ہے کہ عملی زندگی میں وہ ایک ناکام انسان تھے(۲۳) اگر قابلؔ صاحب کی زندگی کو ڈاکٹر کریم الدین احمد کی رائے کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات بھی کافی حد تک درست معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً قابلؔ صاحب تمام عمر غمِ روزگار کا شکار رہے۔ کئی جگہ اُنھیں روزگار کے مواقع میسر آئے مگر ان کی غیر مستقل مزاجی اور بیماری سدِّ راہ بنی اور عملی زندگی میں وہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

www.urduchannel.in

باب۔(۲)

اجمیر کا ماحول اور قابلؔ کا شعری سفر

ا۔اجمیر کا علمی وادبی ماحول (تاریخ اجمیر)

اجمیر کئی سو سال پرانا شہر ہے مگر مسلم تہذیب کے اثرات اس شہر پر دسویں صدی ہجری کے اوائل میں مرتب ہونا شروع ہوئے۔سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۲۴ء میں اجمیر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔۱۱۹۱ء میں پرتھوی راج نے چڑھائی کی اور شہر پر اپنا تسلّط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

۱۱۹۳ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو شکست دے کر اجمیر اور دہلی پر قبضہ کرلیا۔اس طرح وسط ہند میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔اجمیر کے قلعۂ سرخ میں سلطان شہاب الدین غوری نے ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا۔اس مدرسے میں اڑھائی ہزار طالب علم مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔صوفیائے کرام نے بھی لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔امیر خسرو،خواجہ بختیار کاکی اور روشن چراغ دہلوی نے اسی دور میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔فیضی اور ابوالفضل جیسی علمی شخصیات کو جلال الدین اکبر کی سرپرستی حاصل ہوئی اور اجمیر علم وادب کا مرکز بن گیا۔

۱۸۱۸ء میں اجمیر انگریزوں کی عملداری میں آیا تو یہاں انگریزی نظام تعلیم رائج ہو گیا۔اجمیر کالج کے قیام سے مغربی کلچر عام ہو گیا۔قیام پاکستان کے بعد اجمیر ہندوستان کا ایک صوبہ بن گیا۔یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو اجمیر ریاست راجھستان کا حصہ بنا دیا گیا۔۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اجمیر کی آبادی صرف ۶۸۸۰۰ نفوس پر مشتمل تھی مگر ۲۰۱۱ء کی مردم شماری میں آبادی

۲۵۸۴۹۱۳ تک پہنچ گئی۔اس وقت اجمیر کی شرح خواندگی ۷۰ فیصد ہے۔اجمیر ریاست راجھستان کا پانچواں بڑا شہر ہےاور ہندوستان کے ۱۰۰ بڑے شہروں میں شامل ہے۔

۲۔درگاہ معلیٰ

اجمیر کی وجۂ شہرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کی درگاہ ہے جسے درگاہ معلیٰ بھی کہا جاتا ہے۔معین الدین چشتیؒ تصوف کے سلسلہ چشتیہ کے اہم صوفیہ میں سے ہیں۔آپ ۱۱۴۱ء(۵۳۶ھ) میں پیدا ہوئے۔۱۵سال کی عمر میں آپ والدین کے سائے سے محروم ہوگئے۔بچپن ہی سے آپ عام بچوں سے مختلف تھے اور اکثر اوقات مراقبے اور عبادت میں مصروف رہتے۔آپ نے حصولِ علم کے لیے سمرقند اور بخارا کا سفر کیا اور حجازِ مقدس بھی جانا ہوا۔

آپ نے اپنے مرشد کے حکم پر اجمیر کا سفر کیا اور وہاں جا کر تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔آپ کے حسنِ سلوک سے کئی غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔آپ نے ۱۵ مارچ ۱۲۳۶ء(۶ رجب ۶۳۳ھ) کو وفات پائی اور اجمیر میں دفن ہوئے۔آپ کے مزار پر ہر سال ۶ اور ۷ رجب کو عرس کا اہتمام ہوتا ہے جس میں دنیا بھر سے زائرین شرکت کرتے ہیں۔

درگاہ کا انتظام ۱۹۵۵ء کے انڈین گورنمنٹ ایکٹ کے تحت ایک کمیٹی کے سپرد ہے جس کا انتخاب حکومت کرتی ہے مگر عرس کی تقریبات کا اہتمام خدام کے ذمے ہے۔درگاہ کے سجادہ نشین سید زین العابدین ہیں جن کا سلسلہ بائیسویں پشت پر جا کر معین الدین اجمیریؒ سے ملتا ہے۔

۳۔علمی وادبی سرگرمیاں

۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کے بعد دہلی اور یو پی سے لوگوں کی ہجرت شروع ہوئی۔ان میں سے اکثر نے اجمیر کا رُخ کیا۔ان مہاجرین میں نوابین اور رؤسا کے علاوہ بہت سے ادبا،شعرا اور علما

www.urduchannel.in

بھی شامل تھے۔ شعرا میں کلیم اجمیری کا نام سرفہرست ہے۔ کلیم اجمیری کا کلام معرفت میں رنگا ہوا تھا۔ اُن کے شاگردوں میں خاک اجمیری، عرش اجمیری، باغ اجمیری، میر احدی اورامام الدین اثر کے نام شامل ہیں۔

یہ ۱۸۹۰ء کا سال تھا جب اجمیر میں امام الدین اثر کا طوطی بول رہا تھا۔ اُنھی دنوں نواب محبوب علی خان نظام دکن نے جناب داغ دہلوی کو کسی رنجش کی بنا پر استاد کے منصب سے ہٹا دیا اور وہ حیدرآباد سے درگاہ معلیٰ پر حاضری کے لیے اجمیر تشریف لائے۔ اسی موقع پر جناب داغ دہلوی نے اپنی مشہور زمانہ منقبت لکھی:

سلطانِ جہاں ولیوں کے ولی سلطان الہند غریب نواز

داغ دہلوی کی اجمیر آمد نے اجمیر کی ادبی فضا کو گرما دیا لیکن جلد ہی داغ دہلوی اپنے منصب پر بحال کر دیے گئے اور وہ پھر حیدرآباد چلے گئے۔ داغ دہلوی کی اجمیر میں موجودگی کا فیض تھا کہ یہاں سیماب اکبرآبادی، جگر مرادآبادی اور مضطر خیرآبادی جیسے شعرا نے قیام کیا۔ سیماب اکبرآبادی کے آبا و اجداد کا تعلق آگرہ سے تھا لیکن سیماب کی تعلیم و تربیت اجمیر میں ہی ہوئی۔ سیماب نے اسلامیہ ہائی سکول اجمیر سے میٹرک کیا اور اجمیر ہی کے گورنمنٹ کالج سے انٹر کی سَند لی۔ بعد ازاں ریلوے کے آڈٹ آفس میں ملازم ہو گئے۔ پہلے خاک اجمیری کی شاگردی میں رہے مگر داغ دہلوی کی اجمیر آمد کے بعد ان سے اصلاح لینے لگے اور داغ دہلوی کی وفات تک ان کے شاگرد رہے۔

سیماب اکبرآبادی کے شاگردوں نے بھی اجمیر کی ادبی فضا کو مہکائے رکھا مگر جب ان کے شاگرد دو گروپوں میں تقسیم ہو گئے تو اجمیر کی ادبی فضا کسی حد تک مکدّر ہو گئی۔ ایک گروپ کی قیادت میر احدی کر رہے تھے جبکہ دوسرا گروپ نصیر اکبرآبادی کی قیادت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ نصیر اکبرآبادی اگرچہ سیماب اکبرآبادی کے سمدھی تھے مگر اُن کی مخالفت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ وہ بھی سیماب اکبرآبادی کے دفتر میں کام کرتے تھے اور ان کی ترقی کی

www.urduchannel.in

راہ میں روڑے اٹکاتے رہتے تھے۔ان کی شرارت کی وجہ سے سیماب اکبر آبادی کلرک سے ہیڈ کلرک نہ بن سکے۔اُنھوں نے سیماب صاحب کی ترقی کے خلاف درخواست دے رکھی تھی کہ سیماب نے صرف انٹر کیا ہے جبکہ کئی ملازمین نے گریجویشن کر رکھی ہے اس لیے ان کو ترقی ملنی چاہیے۔سیماب صاحب نے آخر کار ۱۹۳۰ء میں دلبرداشتہ ہوکر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور آگرہ چلے گئے۔اس طرح اجمیر ایک نابغہ روزگار شخصیت سے محروم ہوگیا۔

جگر مرادآبادی نے بھی اجمیر کی ادبی فضا کو گرمانے میں اہم کردار ادا کیا۔جگر صاحب نے بھی داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔داغ دہلوی کے اجمیر سے جانے کے بعد جگر صاحب سیماب اکبرآبادی سے مشورۂ سخن لیتے رہے۔مضطر خیرآبادی بھی اجمیر آچکے تھے۔مضطر صاحب گوالیار میں مجسٹریٹ درجہ اوّل تھے مگر مہاراجہ سے اختلافات کی بنا پر استعفیٰ دے کر اجمیر آگئے تھے۔اجمیر میں قیام کے دوران میں مضطر خیرآبادی نے شعرا کو منظّم کیا۔آپ چونکہ امیر مینائی کے شاگرد تھے اس لیے آپ نے اجمیر میں ''بزمِ مینائی'' کی بنیاد ڈالی۔حلقۂ مینائی نے اجمیر کی ادبی زندگی میں گویا جان ڈال دی۔اس حلقے سے وابستہ ہونے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔اس حلقے میں محشر اجمیری، بہتر اجمیری، دل گیر اجمیری، بہار کوٹی اور خنداں نگینوی شامل تھے۔اس حلقے کے بیشتر شعرا قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد سندھ منتقل ہوگئے۔

اسی زمانے میں اجمیر میں ''بزمِ مومن'' کا قیام بھی عمل میں آیا۔اس بزم کی سرپرستی خلش اجمیری کر رہے تھے۔ان کے بعد ان کے فرزند ایوب منش اجمیری نے یہ ذمہ داری نبھائی اور خوب نبھائی۔۱۹۳۰ء تک اجمیر میں داغ دہلوی، امیر مینائی اور مومن خان مومن کا رنگِ سخن غالب رہا۔۱۹۳۰ء کے بعد اجمیر کے ادبی ماحول نے ایک اور کروٹ لی اور ایک معاہدے کے تحت درگاہ کا سارا انتظام حکومتی عمل داری میں آگیا۔

سلطنت برطانیہ سے ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت درگاہ کے شفاخانوں، دارالعلوم اور مساجد کے اخراجات نظام دکن میر عثمان علی خان نے اپنے ذمے لے لیے۔دارالعلوم اور

www.urduchannel.in

مساجد وزارت تعلیم کے ماتحت کام کرنے لگیں۔ شفاخانوں کا انتظام محکمہ صحت کے ذمے تھا۔مساجد بھی وزارتِ مذہبی امور کے ماتحت آ گئیں۔گویا اخراجات کی ذمہ داری نظام دکن پر تھی اور عملداری سلطنت برطانیہ کی۔اس طرح حیدرآباد دکن اور اجمیر گویا ایک ہی تمدنی اور انتظامی بندھن میں بندھ گئے۔

تعلیمی لحاظ سے اجمیر میں اس زمانے میں بہت ترقی ہوئی جب ہوش بلگرامی معتمد تعلیمات مقرر ہوئے۔اُنھوں نے اجمیر پر خاص توجہ دی۔جوش ملیح آبادی، فانی بدایونی، علی اختر حیدرآبادی اور ماہرالقادری جیسی ہستیاں دارالعلوم اور مدارس کے معائنے کے لیے اجمیر آتے اور صاحبانِ علم وفن ان سے استفادہ کرتے۔مولانا معنؔی کی اجمیر میں موجودگی نے بھی اجمیر کی علمی فضا کو متحرک رکھا۔کوئی بھی صاحب علم اجمیر آتا تو معنؔی اجمیری کا مہمان ہوتا۔جگر مرادآبادی بھی عینکوں کی تجارت کی غرض سے اجمیر آتے اور کئی کئی ماہ یہاں قیام کرتے۔

۴۔دبستانِ فانی وجگر

اجمیر کے غزل گو شعرا کا طبقہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ایک دبستانِ فانی بدایونی تھا اور دوسرا دبستانِ جگر مرادآبادی تھا۔فانؔی کے دبستان کے لوگ پرستارِ غم و الم تھے۔اس دبستان میں شیخ عبدالحق نشاط، مرغوب اختر، ریاض اکبر علی، قابل اجمیری، سراج الہ آبادی، نسیم ہاشمی، شاہ نوراختر اور شاہ عنبر چشتی کے نام شامل ہیں۔جگر کے حلقے میں بہار کوٹی، پیکر واسطی، مجاز دہلوی، علیم الدین علیمی، نسیم جمالی، اثر جلیلی اور افق اجمیری شامل تھے۔جگر مرادآبادی کے پرستار زندگی کے روشن پہلو دیکھنے کے قائل تھے جب کہ فانؔی کے پرستار احساس مرگ پر یقین رکھتے تھے اور ہر وقت موت کی کیفیات اپنے اوپر طاری رکھتے تھے۔

دبستانِ فانؔی کے شعرا عملی زندگی میں بھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔شاہ عنبر چشتی نے فقیری اختیار کر لی، نشاؔط نے کثرتِ بادہ نوشی سے جان دے دی، سراج الہ آبادی نے

خودکشی کرلی، قابل اجمیری اورنسیم ہاشمی دق جیسے مرض میں مبتلا ہوکر مرے، ریاض اکبر علی جو جامعہ سندھ حیدرآباد میں فلسفہ پڑھاتے تھے اپنی یادداشت کھو بیٹھے، نعیم ہاشمی اور مرغوب اختر بھی اسی طرح کے حالات کا شکار رہے۔

یہ تھا اجمیر کا وہ علمی وادبی ماحول جس میں قابل اجمیری نے آنکھ کھولی اور اپنے شعری اور شعوری سفر کے مختلف مدارج طے کئے۔قابلؔ کی ذاتی زندگی بھی غم والم سے لبریز تھی اور پھر جوانی میں محبت کا ناکام تجربہ بھی ہوا اس لیے اس نے اپنی شاعری کو فانیؔ بدایونی کے رنگ میں رنگ لیا۔دق کے مرض نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور قابلؔ کی شاعری بھی زیادہ تر حزن وملال کی تصویر بن کر رہ گئی۔

www.urduchannel.in

قابلؔ اجمیری کا شعری سفر

ا۔ابتدائی اثرات

قابلؔ اجمیری نے نہایت مختصر عمر پائی۔وہ ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۲ء میں انتقال کر گئے۔گویا ان کی کل عمر تین دہائیوں کے برابر تھی۔اس عمر سے اگر شروع کے دس بارہ سال نکال دیئے جائیں تو قابلؔ کا شعری سفر بمشکل دو دہائیاں بنتا ہے۔اس عرصۂ حیات میں بھی اکثر وہ بیماری سے برسرِ پیکار رہے۔لیکن اتنے کم عرصے کی مشقِ سخن میں بھی اُنھوں نے اردو شاعری پر اَنمٹ اثرات مرتب کیے۔قابلؔ ابتدائے سخن میں کس کس سے متاثر ہوئے یہ جاننے کے لئے اک دفعہ پھر ہمیں ماضی میں جھانکنا ہوگا۔

شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ قابلؔ نے غالباً ۱۹۴۰ء میں مشقِ سخن شروع کی۔اس وقت ان کی عمر ۹ برس ہوگی۔یہ وہی سال ہے جب ان کی ملاقات ارمان اجمیری سے ہوئی۔یہ ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟اس کا احوال سید محمد تسلیم کے مقالے میں مذکور ہے:

> ''یہ ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک بزرگ پر بڑے زور کی کیفیت طاری تھی۔محفل سماع ختم ہوگئی لیکن ان بزرگ پر وجد طاری رہا۔قابلؔ صاحب اور ان کے دوست ان بزرگ کا اتا پتا معلوم کر کے ان کو گھر پر چھوڑنے چلے گئے۔ان کے گھر پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان کی ذات گرامی جناب ارمان اجمیری تھی۔ارمان صاحب جب کیفیت سے بیدار ہوئے تو اُنھوں نے قابلؔ صاحب کو سینے سے لگا لیا اور ان کی پیشانی کو چوم

www.urduchannel.in

لیا۔ یہاں سے قابلؔ کی زندگی میں ایک نیا موڑ شروع ہوا۔ ارمان صاحب کے فیضِ نظر نے ان کی طبیعت میں روانی پیدا کردی۔ وہ رات اور دن کاغذ پر غزلیں لکھتے اور لکھ کر پھاڑ دیتے۔‘‘(۱)

سید محمد تسلیم کا درج بالا اقتباس اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ قابلؔ اجمیری نے ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ شاعری کا آغاز کردیا تھا لیکن پروفیسر ارشد رضا کے مطابق قابلؔ اجمیری نے پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا(۲)۔ اور یہ بات بھی مصدقہ ہے کہ پہلے پہل اُنھوں نے ارمان اجمیری ہی کو اپنا کلام دکھایا اور ان سے اصلاح کی درخواست کی جو اُنھوں نے قبول کرلی مگر بعد ازاں ارمان اجمیری اپنی پیشہ وارانہ مصرفیات کے سبب قابلؔ اجمیری کو وقت نہ دے پائے۔ قابلؔ اجمیری بزمِ ارمان کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آچکے تھے اس لیے مئی ۱۹۴۴ء میں نصیر آباد مشاعرے کے دوران میں ہونے والے ایک ناخوشگوار واقعے کے بعد اُنھوں نے ’’بزم ارمان‘‘ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

اب قابلؔ نے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے درگاہ بازار کے مختلف ہوٹلوں کا رُخ کیا۔ وہ دن بھر غزلیں کہتے اور ان ہوٹلوں پر بیٹھے سینئر شعرا کو سناتے۔ کبھی داد ملتی تو کبھی ڈانٹ مگر قابلؔ اپنی دھن میں مست رہے۔ مولانا معنیؔ کی اجمیر آمد نے اجمیر کی ادبی زندگی میں تحرک پیدا کیا۔ اس کے اثرات قابلؔ اجمیری کی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ وہ معنیؔ صاحب کی شاگردی میں آگئے اور ان کے کتب خانے سے استفادہ کرنے لگے۔ مطالعے نے قابلؔ کی شاعری کا رُخ تبدیل کردیا اور اُنھوں نے شاعری میں عامیانہ مضامین باندھنے سے نجات حاصل کرلی۔

قابلؔ اجمیری کی ابتدائی شاعری میں ہمیں داغ دہلوی کی محاورہ بندی، فانی بدایونی کا تصورِ مرگ اور جگر مرادآبادی کا نشاط آمیز لہجہ کہیں نہ کہیں ضرور نظر آتا ہے۔ سیماب اکبر آبادی کی اصلاحی تحریک کے اثرات بھی قابلؔ کی شاعری پر دیکھے جاسکتے ہیں لیکن بالآخر قابلؔ نے اپنا منفرد لہجہ اختیار کیا اور اردو غزل کو مالا مال کردیا۔

قابلؔ اجمیری کا ابتدائی کلام ان کے مجموعہ ہائے کلام میں موجود نہیں کیونکہ اس وقت کے دستور کے مطابق اکثر شعرا ابتدائی کلام ضائع کر دیتے تھے۔ قابلؔ اجمیری بھی اسی روش پر قائم رہے، غزلیں لکھتے اور ضائع کر دیتے مگر پھر بھی ان کا کلام ان کے ہم عصر دوستوں کی وساطت سے قارئین تک پہنچ گیا۔ سید محمد تسلیم نے قابلؔ کا کچھ غیر مطبوعہ نمونۂ کلام اپنے مقالے میں درج کیا ہے اس میں سے کچھ حاضر ہے:

دل کی بساط ایک ہے اس میں دوئی کا کیا گزر
دور ہو شیخ ، دور ہو ، مجھ سے نہ تین پانچ کر
خونِ شہید کی پھبن رنگ نئے دکھائے گی
اب کے برس بہار میں پھول کھلے ہیں دار پر

☆☆☆

ہم نے جب قصد کیا پی کے بہک جانے کا
خیر سے وا نہ ہوا در کبھی میخانے کا
ماحصل دیکھ لیا عشق کے افسانے کا
شمع کے بجھتے ہی دل بجھ گیا پروانے کا

☆☆☆

ایک دنیائے جنوں تھی تیرے دیوانے کی خاک
برق نے پلکوں سے چن لی ساری کاشانے کی خاک
آج ان آنکھوں میں بھی روشن ہیں اشکوں کے چراغ
سرد ہو ہو کر بھی لَو دیتی ہے پیمانے کی خاک

☆☆☆

سکوتِ شب میں جو آنسو بہائے جاتے ہیں
اُنھی کو چن کے ستارے بنائے جاتے ہیں
مجھے نہ شہرِ نگاراں میں لے چلو کہ وہاں
گلوں کی بزم میں کانٹے دکھائے جاتے ہیں

☆☆☆

جو حُسنِ یار کی چمکی نقاب میں بجلی
فلک پہ چھپ گئی ڈر کر سحاب میں بجلی
کسی کی موجِ تبسم کا عکس کیا کہنا
پکارے سب کہ ہے جامِ شراب میں بجلی

☆☆☆

ہر ایک کلی مرگِ تبسم مرے نزدیک
ہر پھول ہے حسرت کا جنازہ مرے آگے
ہر موجِ بلا خیز سے میں سینہ سپر ہوں
طوفاں مرے آگے ہے نہ دریا مرے آگے

☆☆☆

قابلؔ اجمیری کے درج بالا غیر مطبوعہ کلام سے ان کی شاعری پر مرتب ہونے والے ابتدائی اثرات کا پتا چلتا ہے۔ اس میں گل وبلبل کے افسانوں سے لے کر لب ورخسار کے قصّوں اور جام وسبو کی لذتوں تک ہر چیز موجود ہے۔

۲۔ قابلؔ کا شعری ارتقا

قابلؔ اجمیری پر سب سے پہلے مقالہ لکھنے والے سید محمد تسلیم نے قابلؔ اجمیری کی شاعری کو تین

www.urduchannel.in

ادوار میں تقسیم کیا ہے:

پہلا دور	ابتدا سے ۱۹۴۶ء تک
دوسرا دور	۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک
تیسرا دور	۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۲ء تک

پہلا دور وہ ہے جو مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔قابلؔ اجمیری نے بھی ہر شاعر کی طرح شعر گوئی کی ابتدا روایتی مضامین سے کی لیکن خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہے۔دوسرا دور وہ ہے جب اُنھیں معنیؔ جیسی نابغہ روزگار ہستی کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اُنھوں ں نے مطالعے کو شعار بنایا اور شاعری میں جدید رجحانات سے روشناس ہوئے۔قابلؔ اجمیری کے ایک مقالہ نگار ڈاکٹر وحیدالرحمٰن خان بھی ہیں۔وہ قابل کی شاعری میں پائے جانے والے جدید رجحانات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ’’وہ جدید رجحانات اور نئے مضامین سے بے خبر نہیں تھے۔اُنھیں لمحۂ موجود کی اہمیت کا احساس تھا۔وہ اپنے زمانے کے آشوب کو بھی جانتے تھے اور حال اور مستقبل پر بھی نظر رکھتے تھے۔ان کے کلام میں عصری شعور کی رودوڑتی نظر آتی ہے۔وہ تغزل کے پیرائے میں اپنے عہد کے کرب اور حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور علامتی انداز اختیار کرتے ہوئے معاشرتی مسائل اور استحصالی قوتوں کو غزل کے آہنگ میں بے نقاب کرتے ہیں‘(۳)

تیسرا دور وہ ہے جب قابلؔ اجمیری نے غزل کے جدید طرزِ احساس کے ساتھ ساتھ روایتی آہنگ کو بھی مدنظر رکھا۔اور یہ زمانہ قابلؔ اجمیری کی شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔اس دور میں اُنھوں ں نے قدیم اور جدید شعری نمونوں سے بیک وقت استفادہ کیا کیونکہ وہ ہمیشہ نئے اور منفرد خیالات کے متلاشی رہتے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول:

www.urduchannel.in

''گزشتہ بیس پچیس سال کے عرصے میں ایک دو نہیں، چھوٹے بڑے سینکڑوں شاعروں نے غزل کو رام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دو چار کے سوا، اب تک وہ پوری طرح کسی کے قابو میں نہیں آئی۔ اُنھی دو چار میں ایک نمایاں نام قابل اجمیری کا ہے'' (۴)

ہر دور میں اردو غزل نے روایت کا دامن بھی مضبوطی سے پکڑے رکھا اور شعری مواد کا نئے عناصر سے ارتباط بھی قائم رکھا۔ نئی فکر اور سماجی عوامل ہمیشہ اردو غزل کے خاکے میں رنگ بھرتے رہے ہیں۔ نئے حالات کی روشنی میں نئی منزلوں کی تلاش کا کام اردو غزل نے مسلسل سرانجام دیا ہے۔ قابل اجمیری بھی گیسوئے غزل سنوارنے کی اس کوشش میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ قابل اجمیری کے ہاں تمام اساتذہ کا رنگ نظر آتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی انفرادیت قائم رکھنے میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔ اگر زندگی اُنھیں کچھ اور مہلت دیتی تو وہ فن کی ان بلندیوں کو بھی چھو لیتے جن پر اساتذہ فائز تھے۔ کریم الدین احمد نے ان کے بارے میں بجا طور پر لکھا:

''مجھے نہ جانے کیوں احساس ہوتا ہے کہ وہ آہنگ کی تلاش میں تھے۔ آواز والفاظ کے سوتے جہاں سے پھوٹتے ہیں وہ وہاں تک پہنچنا چاہتے تھے۔ اور وہ ابھی اپنی منزل پر نہ پہنچے تھے کہ موت نے انہیں جالیا۔'' (۵)

یہ بات درست ہے کہ اگر قابل اجمیری زندہ رہتے تو اردو غزل کو مزید آراستہ کرتے کیونکہ ان کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔ غم دوراں اور غم جاناں کی دولت سے وہ مالا مال تھے اور تصوف کے سوتے اس سرزمین سے پھوٹے جہاں اُنھوں نے آنکھ کھولی۔ یہی وہ تین موضوعات ہیں جن کے گرد اردو شاعری گھومتی ہے۔

www.urduchannel.in

باب۔(۳)

ادبی خدمات

(قابلؔ اجمیری کا شعری اثاثہ)

قابلؔ کے سوشعر

قابلؔ اجمیری کی زندگی میں ان کا کوئی باقاعدہ شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا البتہ ''قابلؔ کے سو اشعار'' کے نام سے ایک مختصر انتخاب کتابچے کی شکل میں ضرور شائع ہوا جسے قابلؔ اجمیری کی زندگی میں شائع ہونے والا مختصر مجموعۂ کلام کہا جا سکتا ہے۔اس کتابچے کے شروع میں جگر مراد آبادی نے قابل اجمیری کی شاعری پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔''قابل کے سو اشعار'' والا کتابچہ دوسری دفعہ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا جس میں پروفیسر ارشد رضا کا لکھا ہوا ایک مضمون بھی شامل تھا جو انہوں نے ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو لکھا تھا۔تیسری بار اس کتابچے کو قابلؔ اجمیری کے فرزند ظفر قابلؔ نے پاسبان پرنٹنگ پریس حیدر آباد سے شائع کرایا۔کتابچے کے کل صفحات کی تعداد ۶۴ ہے۔

اس کتابچے پر تاریخ اشاعت درج نہیں تاہم کتابت کی تاریخ ۱۹۸۱ء درج ہے۔کتابچہ پاکٹ سائز میں چھاپا گیا۔جملہ حقوق بحق ظفر قابلؔ اجمیری محفوظ ہیں اور اس کتابچے کی قیمت ۴ روپے درج ہے۔کتابچے کا انتساب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل نامیؔ کے نام ہے اور پہلے صفحے پر قابلؔ اجمیری کی تصویر شائع کی گئی ہے۔کتابچے کا آغاز پروفیسر ارشد رضا کے اس ''تعارف'' سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو لکھا تھا۔اس مضمون کے آغاز میں پروفیسر ارشد رضا کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

''اپنے کمرے کی کھڑکی سے جب بھی باہر دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میری

www.urduchannel.in

نظریں اورینٹل کالج کے پائیں باغ کو طے کرتی ہوئی ایک دریچے سے ٹکرانے لگتی ہیں جس کو میں نے ہمیشہ چشم عاشق کی طرح وا دیکھا۔ اندر صرف تاریکی کا احساس ہوتا ہے جس میں کبھی کبھی ایک سایہ سا متحرک نظر آتا ہے۔ یہ وہ تنگ وتارک گوشہ ہے جس میں وادیٔ مہران کا دُرِثمین، ایک عظیم فنکار عبدالرحیم قابلؔ تنہائی اور عسرت کی زندگی بسر کررہا ہے‘‘(۱)

پروفیسر ارشد رضا کے اس مضمون کے آخر پر ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء کی تاریخ درج ہے اور مقام سٹی آرٹس کالج حیدرآباد لکھا ہوا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے ایڈیشن میں شامل تھا۔ اس مضمون میں قابلؔ اجمیری کا تعارف، بیماری اور شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ ان سو اشعار میں سے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کئے جارہے ہیں:

جہان آرزو آواز ہی آواز ہوتا ہے
بڑی مشکل سے احساسِ شکستِ ساز ہوتا ہے

☆☆☆

جہاں میں آج اندھیروں کا بول بالا ہے
ہم آستیں میں ستارے چھپائے پھرتے ہیں

☆☆☆

ہم نے دیے ہیں عشق کو تیور نئے نئے
اُن سے بھی ہو گئے ہیں گریزاں کبھی کبھی

☆☆☆

مجھی پہ اتنی توجہ مجھی سے اتنا گریز
مرے سلام سے پہلے مرے سلام کے بعد

☆☆☆

خیالِ خاطرِ احباب اور کیا کرتے
جگر پہ زخم بھی کھائے شمار بھی نہ کیا

☆☆☆

حُسن کرتا ہے مہر و ماہ سے چھیڑ
آنکھ لیکن جھکی ہی رہتی ہے

☆☆☆

تیری محفل کے چراغوں کو خبر ہے کہ نہیں
سینہ چاکانِ شب تار پہ کیا گزری ہے

☆☆☆

خود تُمھیں چاکِ گریباں کا شعور آ جائے گا
تم وہاں تک آ تو جاؤ ہم جہاں تک آ گئے

☆☆☆

دیدۂ بیدار

قابلؔ اجمیری کا پہلا باقاعدہ مجموعہ ''دیدۂ بیدار'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ویسے تو قابلؔ اجمیری کی موت کے بعد شائع ہوا لیکن اسے قابلؔ اجمیری نے اپنی زندگی میں خود مرتب کیا تھا۔ اُن کی وفات کے بعد ''مجلس یادگار قابلؔ'' قائم ہوئی۔ معروف شاعر اور قابلؔ اجمیری کے دوست محسن بھوپالی اس مجلس کے پہلے سیکرٹری تھے۔ ان کی کوششوں سے قابلؔ اجمیری کی پہلی برسی (اکتوبر ۱۹۶۳ء) کے موقعے پر ان کا پہلا مجموعہ ''دیدۂ بیدار'' شائع ہوا۔

۱۹۸۶ء میں اس مجموعے کی دوسری اشاعت ''ثانی کمیونی کیشنز'' حیدرآباد کے زیرِ اہتمام عمل میں آئی جس کا اہتمام عتیق الرحمان نے کیا۔ حقوقِ اشاعت بحقِ ظفر قابلؔ محفوظ کیے گئے۔ اس ایڈیشن کا دیباچہ انوار احمد زئی نے لکھا۔ انوار احمد زئی کے بقول:

''یہ سچ ہے کہ قابل منزل یاب نہیں تھا، وہ ابھی سفر میں تھا کہ اُسے موت نے آلیا۔ ۳۱ سال کی عمر جوانی کی رُتوں اور مُرادوں کے دنوں سے تعبیر ہوتی ہے، وہ اگر زندہ رہتا تو اس کی شاعری میں توجہ کے نئے پہلو نکلتے لیکن ''خونِ رگِ جاں'' تک آتے آتے اس کے یہاں جو کچھ بھی ہے وہ اس قدر ہے کہ اس سے صَرفِ نظر کر کے نہ تو حیدر آباد کی ادبی تاریخ مکمل ہوسکتی ہے اور نہ داستانِ جدید غزل۔ قابلؔ کے افتخار کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اردو دنیا میں حیدر آباد کو اس کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔''(۲)

اس مجموعے میں قابلؔ اجمیری کی ٦٦ غزلیں اور ٦ نظمیں شامل تھیں۔ خطاطی خالد فاروق اور عبدالرشید شاہد نے کی۔ اس ایڈیشن کے ۲۱۰۰ نسخے چھاپے گئے۔ ایک نسخے کی قیمت ۳۵ روپے تھی۔ فروری ۱۹۷۰ء میں محمد حسین قریشی نے حیدر آباد سے طالب علم ڈائجسٹ کا قابلؔ اجمیری نمبر شائع کیا تو اس کے آخر میں بھی ''دیدۂ بیدار'' میں شامل تخلیقات شائع کی گئیں۔

خونِ رگِ جاں

قابلؔ اجمیری کا دوسرا مجموعہ ''خونِ رگِ جاں'' تھا۔ اس مجموعے کو بھی ''مجلس یادگارِ قابلؔ'' حیدر آباد نے شائع کیا۔ جملہ حقوق نرگس بیوہ مصنف محفوظ ہیں۔ اس کا سال اشاعت ۱۹٦٦ء ہے اور بار اوّل ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ کتابت عبدالحفیظ خان نے کی اور اسے سعید آرٹ پریس حیدر آباد سے چھپوایا گیا۔ کتاب پر درج قیمت دو روپے پچاس پیسے ہے۔ صفحہ ۳ پر قابلؔ اجمیری مرحوم کی تصویر بھی شائع کی گئی۔ اس مجموعے میں ۵۱ غزلیں، ۸ نظمیں، ٦ رباعیات، ۵ قطعات اور کچھ متفرق اشعار شامل ہیں۔

سیکرٹری ''مجلسِ یادگارِ قابلؔ'' نے احوال واقعی کے نام سے مختصر دیباچہ رقم کیا ہے جس

www.urduchannel.in

میں اس مجموعے کی اشاعت کو عمل میں لانے کے لیے ''مجلسِ یادگارِ قابلؔ'' کے ارکان اور دیگر کرم فرماؤں کے تعاون کی تعریف کی گئی ہے۔ دیباچے کا آغاز کچھ اس طرح سے ہوتا ہے:

''الحمدللہ قابلؔ اجمیری کا دوسرا مجموعۂ کلام ''خونِ رگِ جاں'' بھی شائع ہو رہا ہے۔ ''مجلسِ یادگارِ قابلؔ'' اس مجموعہ سے قبل ''دیدۂ بیدار'' پیش کر چکی ہے اور اس میں ہم مرحوم شاعر قابلؔ اجمیری کے قارئین اور معتقدین دونوں کے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے'' دیدۂ بیدار'' کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس سے ''مجلسِ یادگارِ قابلؔ'' کے منتظمین اور مجموعے کے ناشرین کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ ''خونِ رگِ جاں'' کی اشاعت اسی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔''(۳)

اس دیباچے کے آخر میں یہ نوید بھی سنائی گئی کہ مجلس، قابلؔ اجمیری کے تیسرے اور آخری مجموعۂ کلام کو جلد سے جلد منظر عام پر لانے کی جدوجہد کرے گی۔

کلیاتِ قابلؔ ۱۹۹۲ء

قابلؔ اجمیری کا تمام کلام پہلی دفعہ ۱۹۹۲ء میں ''کلیات قابلؔ'' کے نام سے یونی کیریئز (متحدہ عرب امارات) کے زیر اہتمام جناب سلیم جعفری مرحوم کی کاوشوں سے شائع ہوا تھا۔ سلیم جعفری ادب نواز شخصیت تھے۔ آپ کا تعلق پاکستان سے تھا مگر بسلسلہ روزگار متحدہ عرب امارات میں مقیم تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک متحدہ عرب امارات میں ہونے والے سالانہ عالمی مشاعروں کی میزبانی کرتے رہے۔

سلیم جعفری نے ۱۹۹۲ء میں ''کلیات قابلؔ'' شائع کرایا اور اس کی تقریب رونمائی دبئی (متحدہ امارات) میں منعقد ہوئی۔ بقول ظفر قابل:

'' ۱۹۹۲ء میں یونی کیریئز (متحدہ عرب امارات) کے زیر اہتمام جناب

www.urduchannel.in

سلیم جعفری کی کاوشوں سے ''کلیاتِ قابلؔ'' کے نام سے ایک اور مجموعہ شائع ہوا تھا۔اس موقع پر ایک صراحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ''کلیاتِ قابلؔ'' کی اشاعت کی تقریب میں شرکت کے لیے سلیم جعفری صاحب نے قابلؔ اجمیری کے فرزند کی حیثیت سے مجھے دبئی آنے کی دعوت دی تھی اور مالی تعاون بھی فرمایا تھا۔جس کے لیے میں ان کا بے حد ممنوں ہوں۔''(۴)

''کلیاتِ قابل'' ۱۹۹۲ء کی کتابت قاضی نثار النبی نے کی۔اس کلیات کو نقوش پریس لاہور سے چھپوایا گیا۔کلیات کے جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ کیے گئے۔انتساب محترمہ ڈاکٹر اختر جمال ملک صاحبہ کی علم دوستی وادب نوازی کے نام کیا گیا ہے۔معروف شاعر شہزاد احمد (لاہور) نے دس صفحات پر مشتمل ابتدائیہ لکھا جو ''نقوش'' کے مُدیر جاوید طفیل نے اُن سے لکھوایا۔

کلیاتِ قابلؔ ۱۹۹۴ء

فرید پبلشرز نے ۱۹۹۴ء میں ایک دفعہ پھر کلیات قابل چھاپنے کی ذمہ داری نبھائی۔سید فرید حسین نے اس کلیات کو اے اینڈ ایس پرنٹرز سے چھپوایا۔جملہ حقوق بحقِ پبلشرز محفوظ کئے گئے۔قیمت ۲۲۵ روپے مقرر کی گئی۔اس کلیات کا انتساب قابل اجمیری کی روحِ مطمئنہ کے نام کیا گیا۔قابلؔ اجمیری کے بیٹے ظفر قابل نے پیش لفظ لکھا جس میں کلیات کو بارِ دگر چھاپنے کی وجہ بھی بیان کی گئی جو کچھ یوں ہے:۔

''آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ کلیات قابل کی دوبارہ اشاعت کا کیا جواز ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ سلیم جعفری صاحب دبئی میں تھے اور کلیات کی اشاعت کا کام لاہور کے ایک ناشر کے ذمے تھا۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کلیات میں ''دیدۂ بیدار'' اور ''خونِ رگِ جاں'' میں شائع

www.urduchannel.in

ہونے والے پورے کلام کے ساتھ بقیہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا بھی اضافہ کر دیا جاتا جب کہ اس کام کے لیے یہ دونوں مجموعے اور محمد حسین قریشی صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والا ''قابلؔ نمبر'' بھی مہیا تھے لیکن کتاب کے حصہ نظم میں مندرجہ ذیل نظمیں شامل نہیں کی گئیں ۔۱۴ اگست، آواز، نقشِ حیات، چاندنی رات، عید کے دن۔''(۵)

''کلیاتِ قابلؔ'' ۱۹۹۲ء میں قابل کی ''دیدۂ بیدار'' میں شامل درج ذیل غزلیں بھی شامل نہیں کی گئیں:

۱۔ زندگانی کا اعتبار نہ تھا
۲۔ غم ناگزیر ہے تو غم دو جہاں سہی
۳۔ برہم ہے کائنات مگر جی رہے ہیں ہم
۴۔ حوادث ہم سفر اپنے، تلاطم ہم عناں اپنا
۵۔ آج دل بے قرار سا کیوں ہے
۶۔ ہم تری رہگزر میں رہتے ہیں
۷۔ یاد بھی نامہرباں ہے آج کل
۸۔ جب گلوں کو صبا جگاتی ہے
۹۔ عام فیضانِ غم نہیں ہوتا
۱۰۔ غمِ دنیا و جورِ آسماں کچھ اور ہوتا ہے
۱۱۔ کیا ہوا ہے کہ ترے عشق کا سودا بھی نہیں
۱۲۔ وہ ہر مقام سے پہلے وہ ہر مقام کے بعد

درج بالا غزلوں کے علاوہ قابلؔ کی چند اور غزلیں اور نظمیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہیں، ۱۹۹۲ء والے کلیات کا حصہ نہ بن سکیں اس لیے فرید پبلشرز نے ۱۹۹۴ء میں ایک دفعہ

www.urduchannel.in

پھر کلیات قابل چھاپنے کی ذمہ داری لی تا کہ قابلؔ اجمیری کے تمام کلام کو یکجا کیا جا سکے۔اس کلیات میں نہ صرف مندرجہ بالا غزلیں شامل کی گئیں بلکہ باقیاتِ قابلؔ کے تحت ان کی مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والی نظمیں بھی شامل کر دی گئیں۔باقیاتِ قابلؔ کے تحت ایک نعت، چار غزلیں اور ۷ نظمیں شامل کی گئی ہیں۔

اس کلیات کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس کے آخر میں ۱۱۴ صفحات کا اضافہ کیا گیا تھا۔۱۰۰ صفحات قضیہ قابلؔ کے لیے وقف تھے جس میں قابلؔ اجمیری اور حمایت علی شاعرؔ کی معاصرانہ چشمک کا مفصل ذکر ہے جب کہ آخری ۱۴ صفحات میں قابلؔ اجمیری کی تصاویر، اخبارات کے تراشے اور شہزاد احمد کے خط کا عکس شائع کیا گیا ہے۔

ناشرین کی طرف سے قضیہ قابلؔ کے اندراج کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ حصہ قابلؔ اجمیری کے بیٹے ظفر قابلؔ کے ایما پر شامل کیا گیا(۶)۔مجھے اس کلیات کے قضیہ قابلؔ والے حصے کی فوٹو کاپی خود محسن بھوپالی مرحوم نے مہیا کی تھی۔میرے پاس فرید پبلشرز کا ۱۹۹۴ء والا کلیات موجود ہے جو میں نے اپنے حیدرآباد میں قیام کے دنوں میں خریدا تھا مگر اس میں یہ زائد صفحات شامل نہیں جن میں قضیہ قابلؔ بیان کیا گیا ہے۔

طالب علم ڈائجسٹ (قابلؔ نمبر)

قابلؔ اجمیری کی ادبی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے جناب محمد حسین قریشی نے فروری ۱۹۷۰ء میں طالب علم ڈائجسٹ مطبوعات حیدرآباد کی طرف سے قابلؔ نمبر شائع کیا۔یہ ایک ضخیم رسالہ تھا جس کے صفحات کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی۔پہلے ۱۰۰ صفحات قابلؔ اجمیری کے حیات وفن پر لکھے گئے مضامین کے لیے مخصوص تھے۔قابلؔ نمبر کے مضمون نگاروں میں ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، رئیس امروہوی، ڈاکٹر کریم الدین احمد، حضور احمد سلیم، سحر انصاری، ارشد رضا، غیاث الدین قریشی، قمر الزمان، مشتاق احمد خانزادہ، نظر کامرانی، نربھے رام

www.urduchannel.in

جوہر، احمد ضیا، توصیف چغتائی اور محمد حسین قریشی شامل تھے۔

صفحہ نمبر ۱۰۱ سے صفحہ نمبر ۱۱۳ تک قابل کے متعلق جگر مرادآبادی، محسن بھوپالی، حسرت کاسگنجوی، حسن ظہیر اور خادمی اجمیری کے تاثرات تحریر کیے گئے تھے۔ صفحہ نمبر ۱۱۷ سے صفحہ نمبر ۱۲۰ تک قابل اجمیری کی وفات پر شاہد احمد دہلوی، ماہر القادری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، رئیس امروہوی اور ڈاکٹر کریم الدین احمد کے پیغامات درج تھے۔ صفحہ نمبر ۱۲۱ سے صفحہ نمبر ۲۵۲ تک قابل اجمیری کے پہلے مجموعۂ کلام ''دیدۂ بیدار'' میں شامل تمام غزلیں، نظمیں، قطعات، گیت اور مختلف اشعار شامل کئے گئے۔ آخری حصے کو طرحی مشاعرہ کا نام دیا گیا جس میں قابل اجمیری کے ہم عصر شعرا کی قابل کی زمین میں کہی گئی غزلیں شامل کی گئیں۔ محمد حسین قریشی نے اس شمارے کو طالبان علم و ادب کے لیے محفوظ کرتے ہوئے لکھا:

> ''ہمیں یقین ہے کہ مستقبل کا ادبی مؤرخ اور محقق قابل اجمیری کے فن، شخصیت اور کلام کا جائزہ پیش نظر ''قابل نمبر'' کی روشنی میں بہتر طور پر کر سکے گا۔'' (۷)

طالب علم ڈائجسٹ (قابل نمبر) کا یہ شمارہ میں نے حیدرآباد میں اپنے قیام کے دوران میں قابل اجمیری کے دوست اور ہم عصر شاعر جناب سعید احمد سعیدی سے مستعار لے کر فوٹو کاپی کروایا تھا۔ یہ شمارہ قابل اجمیری پر کام کرنے والوں کے لیے ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

نخلستان (قابل اجمیری نمبر)

طالب علم ڈائجسٹ حیدرآباد کے قابل نمبر کے بعد راجستھان اردو اکادمی جے پور (ہندوستان) کے سہ ماہی شمارے ''نخلستان'' (اکتوبر ۱۹۸۶ء تا مارچ ۱۹۸۷ء) نے بھی قابل اجمیری نمبر شائع کیا۔ اس شمارے کے مدیر سید فضل المتین تھے۔ شمارے میں شامل مضامین اور لکھاریوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

www.urduchannel.in

حرف آغاز۔	از	سید فضل المتین
مقدمہ دیدۂ بیدار۔	از	ڈاکٹر عبادت بریلوی
دیدۂ بیدار میری نظر میں۔	از	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
قابلؔ ایک علامتی غزل گو۔	از	محمود ہاشمی
غزل میں تجدد کی ایک مثال۔	از	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
شاعر اعتماد، قابل اجمیری۔	از	سحر انصاری
وادیٔ مہران کا جواں مرگ شاعر، قابل اجمیری۔	از	وفا راشدی
قابلؔ شعلہ ہے شبنم ہے۔	از	پروفیسر ارشد رضا
قابلؔ ایک دیدہ ور۔	از	پرفیسر حضور احمد سلیم
قابلؔ اجمیری بڑا شاعر تھا۔	از	محمد حسین قریشی
قابل کی شعری دنیا۔	از	ڈاکٹر کریم الدین احمد
عبدالرحیم قابلؔ۔	از	مشتاق علی جعفری
قابل اجمیری۔	از	محمد انوار الحق نہال اجمیری

اس شمارے میں شامل چند مضامین وہی ہیں جو اس سے قبل طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد کے قابلؔ نمبر میں شامل ہو چکے ہیں تاہم زیادہ تر مضامین نئے ہیں۔ یہ شمارہ لگ بھگ ۱۰۰(ایک سو) صفحات پر محیط ہے۔

انتخابِ کلام قابلؔ اجمیری

راجستھان اردو اکادمی ، جے پور (ہندوستان) کے شائع کردہ شمارہ سہ ماہی نخلستان (قابلؔ اجمیری نمبر) میں طالب علم ڈائجسٹ (قابلؔ نمبر) کی طرز پر کلامِ قابلؔ شامل ہونا تھا لیکن ناگزیر وجوہ کی بنا پر ایسا ممکن نہ ہو سکا اس لیے راجستھان اردو اکادمی ، جے پور (ہندوستان) نے

''انتخابِ کلام قابلؔ اجمیری'' الگ سے شائع کیا۔ڈاکٹر ثاقب رضوی چیئر مین راجستھان اردو اکادمی، جے پور(ہندوستان)اس انتخاب کا جواز یوں بیان کرتے ہیں:

''نخلستان کے خصوصی شماروں کے سیاق وسباق میں قابلؔ اجمیری نمبر کا ذکرنا گزیر ہے کیونکہ زیرِنظر انتخابِ کلام اسی کا تکملہ اور ضمیمہ ہے۔متذکرہ شماروں میں کلامِ قابلؔ کے انتخاب کی شمولیت بھی نہایت ضروری تھی مگر وسائل کی کمی شمارہ کی ضخامت کے بار کی متحمل نہ ہوسکی اور اسے کتابی صورت میں بہ ایں تاخیر علیحدہ شائع کرنا پڑا۔''(۸)

انتخابِ کلامِ قابلؔ اجمیری کو سید فضل المتین نے مرتب کیا اور ۱۹۸۹ء میں راجستھان اردو اکادمی، جے پور(ہندوستان)نے اس کی چار سو کاپیاں شائع کیں۔اس انتخاب کی قیمت دس روپے تھی۔انتخاب کے شروع میں قابلؔ اجمیری کا تعارف شائع کیا گیا جس میں ان کی تاریخ پیدائش ووفات،نام،تخلص،تلمذ،تصنیفات اور تلامذہ کا ذکر ہے۔

یہ انتخاب ڈاکٹر ثاقب رضوی چیئر مین راجستھان اردو اکادمی، جے پور(ہندوستان) کے پیش لفظ سے شروع ہوتا ہے جس میں اُنھوں نے اس انتخاب کو سہ ماہی نخلستان قابلؔ نمبر سے علیحدہ چھاپنے کی وجہ بیان کی اور اسے قابلؔ کی شاعری پر کام کرنے والوں کے لیے گراں قدر سرمایہ قرار دیا۔پروفیسر ارشد رضا کا وہ مضمون بھی اس انتخاب میں شامل ہے جو اُنھوں نے قابلؔ اجمیری کے سواشعار کے دوسرے ایڈیشن کے لیے ۱۲، مارچ ۱۹۵۸ء کو لکھا تھا۔یہ انتخاب تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں قابلؔ اجمیری کے متفرق اشعار،نظمیں،غزلیں اور قطعات شامل کیے گئے ہیں۔

عصریات وتنقیحات

قابلؔ اجمیری کا کچھ کلام عصریات وتنقیحات کے نام سے بھی شائع ہوا۔اس اشاعت کے پہلے

صفحے پر یہ شعر درج ہے:

مشرقِ نو سے مہرِ نو بن کے کوئی طلوع ہو

دیدۂ شوق وا کیے بیٹھی ہے ساری کائنات

شعر کے بعد نمایاں الفاظ میں عصریات وتنقیحات لکھا ہوا ہے اور آخر میں ہے، از قابلؔ اجمیری۔ اس اشاعت میں کوئی تاریخ درج نہیں، نہ ہی چھاپنے والے شخص یا ادارے کا نام ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کی ضخامت ۵۰ صفحات کے قریب ہے۔ اس انتخاب کا آغاز قابلؔ اجمیری کی نظموں سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس انتخاب میں زیادہ تعداد نظموں کی ہے تاہم اس میں قطعات، رباعیات اور غزلیں بھی شامل ہیں۔ اس انتخاب میں شامل غزلوں اور نظموں کے بعض اشعار پر پنسل سے لکیر لگا کر اُنھیں کاٹ دیا گیا ہے۔ اس انتخاب کی کا فوٹو کاپی مجھے قابلؔ اجمیری کے فرزند ظفر قابل نے کراچی میں ایک ملاقات کے دوران دی تھی۔

نذرِ خواجہ

قابلؔ اجمیری کا کچھ کلام ہمیں ''نذرِ خواجہ'' کے نام سے شائع ہونے والے ایک مختصر کتابچے میں بھی ملتا ہے۔ اس کتابچے کو ایم اے میکش ارمانی اجمیری نے تصنیف کیا اور غالب پریس اجمیر سے چھپوایا۔ اس میں ایم اے میکش ارمانی اور قابلؔ اجمیری دونوں کا کلام شامل ہے۔ صفحات کی تعداد صرف آٹھ ہے۔ اس میں قابلؔ اجمیری کے دو گیت اور ایک غزل شامل ہے۔ اس اشاعت کے شروع میں ایم اے میکش ارمانی لکھتے ہیں:

> ''میں ممبئی سے اجمیر شریف اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ اپنی نوائے دل کو ایک گلدستہ کی صورت میں حضور غریب نوازؒ کی نذر کروں، یہاں آ کر مجھے عبدالرحیم صاحب قابلؔ اجمیری سے شرفِ نیاز ہوا اور ان کا پاکیزہ کلام سنا۔ وہ مجھ کو اتنا بھلا معلوم ہوا کہ میں نے غریب نواز کی اس

www.urduchannel.in

نذر میں اس کو شامل کرنے کی فرمائش کی جو بصد عنایت قبول کر لی گئی۔میں قابلؔ صاحب کا بہت مشکور ہوں کہ اُنھوں نے گلدستہ کی ترتیب میں میری امداد کی۔'' (۹)

عشق انسان کی ضرورت ہے

قابلؔ اجمیری کے بیٹے ظفر قابل نے جنوری ۲۰۰۵ء میں قابلؔ اجمیری کے اس انتخاب کو کینوس کمیونی کیشنز کے پلیٹ فارم سے شائع کیا۔اس کے تقسیم کار فرید پبلشرز کراچی ہیں۔انتساب بیگم نرگس قابلؔ کے نام ہے۔اس انتخاب میں ۴۴ غزلیں اور ۳ نظمیں شامل ہیں۔انتخاب کے آخر میں ظفر قابل نے ''عرضِ مرتب'' کے نام سے اس انتخاب کی اشاعت کی وجہ بیان کی ہے اور قابلؔ اجمیری پر ممتاز راشد (ممبئ) کا مضمون بھی انتخاب کے آخری صفحات میں شائع کر دیا ہے۔ انتخاب کے کل صفحات کی تعداد ۱۲۸ ہے۔پسِ ورق قابلؔ اجمیری کی تصویر ہے جس کے نیچے قابلؔ اجمیری کی شاعری پر محسن بھوپالیؔ کی مختصر رائے درج ہے۔

قابلؔ اجمیری کا شعری اثاثہ دراصل اردو ادب کا اثاثہ ہے۔وہ تمام لوگ قابلِ تحسین ہیں جنھوں نے اس اثاثے کو محفوظ بنانے کے لیے جدوجہد کی۔شاعر یا ادیب کا کام ادب تخلیق کرنا ہوتا ہے۔ہر دور میں لکھنے والوں نے لکھا اور پھر اپنی تخلیقات کو قارئین کے حوالے کر دیا۔نقادوں نے اسے تنقید کی چھلنی سے گزارا اور وقت نے ثابت کر دیا کہ کون کس مقام پر ہے۔قابلؔ اجمیری کو اپنی صلاحیتیں منوانے کے لیے بہت کم وقت ملا مگر وقت نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔اردو غزل پر تبصرہ کرتے وقت کوئی بھی نقاد قابلؔ اجمیری کو نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ قابلؔ اجمیری کی غزل گوئی کے بغیر اردو غزل کا تذکرہ مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔

قابلؔ اجمیری کے تلامذہ

قابلؔ اجمیری نے نہ صرف اردو غزل کو خوب صورت اشعار کا تحفہ دیا بلکہ اُنھوں نے بہت سے نوجوان شعرا کی رہنمائی بھی کی۔اس طرح قابلؔ اجمیری نے بالواسطہ اور بلاواسطہ اردو شعر و ادب کی خدمت کی۔ یوں تو قابلؔ اجمیری کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر ہم صرف ان کے معروف شاگردوں کا تذکرہ کریں گے۔قابلؔ اجمیری کے معروف تلامذہ درج ذیل ہیں:

۱۔ قمر معینی

قمر معینی کا نسب خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری سے ملتا ہے۔آپ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔آپ نے برطانیہ سے سول انجینئر کی ڈگری لی اور حکومتِ پاکستان کے مختلف محکموں میں خدمات انجام دیتے رہے۔اقوامِ متحدہ کے عالمی ادارۂ صحت سے بھی وابستہ رہے۔آپ ایک اچھا انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور قابلؔ اجمیری سے اصلاح لیتے رہے۔

۲۔ صابر نایاب

صابر نایاب قابلؔ اجمیری کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔آپ بھی قمر معینی کی طرح ایک لکھے پڑھے آدمی تھے۔ایم اے ایل ایل بی کے بعد وکالت کرتے رہے۔بعدازاں پاکستان آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں ملازمت اختیار کی اور اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے والد رئیسانِ اجمیر میں سے تھے اور ایک

www.urduchannel.in

ایماندار تاجر تھے۔ صابر نایاب نے ایک دفعہ شعر کا مصرعِ اولیٰ یوں باندھا کہ:

باغ وصحرا میں تو ملتے نہیں قدموں کے نشاں
تیرے دیوانے خدا جانے کدھر سے گزرے

قابلؔ اجمیری نے زبان دانی کی مہارت کو استعمال کرتے ہوئے اسے یوں کر دیا:

حرم و دیر میں ملتے نہیں قدموں کے نشاں
تیرے دیوانے خدا جانے کدھر سے گزرے

۳۔ پیکر واسطی

جناب پیکر واسطی بچپن سے قابلؔ اجمیری کے قریب رہے۔ جب قابلؔ اجمیری پاکستان آئے تو پیکر واسطی یہاں پہلے سے موجود تھے اور روزنامہ ''جاوید'' کے چیف ایڈیٹر تھے۔ پیکر واسطی کے کہنے پر قابلؔ نے روزنامہ ''جاوید'' میں قطعہ نگاری شروع کر دی اور یوں انھیں ایک معقول رقم بطور اعزازیہ ملنا شروع ہوگئی۔ پیکر واسطی نے دوستی اور شاگردی دونوں کا پاس رکھا۔ پیکر واسطی کے ایک شعر پر قابلؔ کی طرزِ اصلاح ملاحظہ ہو:

صبحِ امید بھی نکلے گی کسی دن پیکر
ان ستاروں کو چمکنے دو سحر ہونے تک

قابلؔ اجمیری نے پہلے مصرعے کو یکسر تبدیل کر دیا اور یوں شعر کو معنوی اعتبار سے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ طرزِ اصلاح دیکھیے:

اپنے اشکوں کی حقیقت بھی کھلے گی پیکر
ان ستاروں کو چمکنے دو سحر ہونے تک

۴۔ عبدالطیف آبدؔ

آپ قابلؔ اجمیری کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔آپ نے قابلؔ اجمیری کی بیماری میں ان کی ہرممکن مدد کی۔آپ مجلسِ یادگارِقابلؔ کے اہم رکن تھے۔آپ نے قابلؔ کے شعری مجموعوں کی اشاعت اور قابلؔ کی یاد میں مشاعرے منعقد کرانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔آپ بھی قابلؔ اجمیری سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔

۵۔ ابوالعلی مہرؔ

آپ محکمۂ تعلیم سندھ میں مدرس تھے۔آپ نے خاصا عرصہ میر پور خاص (سندھ) میں گزارا۔آپ نظم وغزل میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔وہ شاعری میں قابلؔ اجمیری کے شاگرد تھے۔

۶۔ مجید جے پوری

آپ ایک کاروباری شخصیت تھے۔آپ کا کاروبار حیدرآباد سے نواب شاہ اور شہداد پور تک پھیلا ہوا تھا۔آپ کبھی کبھار قابلؔ کی مالی اعانت بھی کردیتے تھے۔غزل گوئی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔آپ نے ہمیشہ قابلؔ سے مشورۂ سخن کیا۔آپ کا ایک شعر تھا:۔

مجھ کو کیا مشکل ہے ترکِ مے کشی
تیری نظروں کا سہارا چاہیے

قابلؔ اجمیری نے اس شعر کے لفظ ''سہارا'' کو ''اشارہ'' سے تبدیل کر کے ایک شاہکار بنادیا۔

مجھ کو کیا مشکل ہے ترکِ مے کشی
تیری نظروں کا اشارہ چاہیے

www.urduchannel.in

باب۔(۴)

قضیۂ قابلؔ

شعرا کی معاصرانہ چشمک کوئی نئی بات نہیں۔ یہ روایت اسداللہ خاں غالبؔ اور محمد ابراہیم ذوقؔ سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ ہر دور میں ہم عصر شعرا اس ''بیماری'' کا شکار ہوئے۔ احمد ندیم قاسمی اور وزیر آغا بھی اس گروہ بندی کا شکار رہے۔ قابلؔ اجمیری اور حمایت علی شاعرؔ کی معاصرانہ چشمک بھی ہمیشہ موضوعِ بحث رہی۔ قابلؔ اجمیری کی کلیات میں اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے ایک سو صفحات کا اضافہ کیا گیا۔ اس بحث کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی پہلے اس بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ساجد امجد نے اکتوبر ۱۹۹۲ء میں سید انور فراز کے ماہنامہ ''سرگزشت'' میں قابلؔ اجمیری کا سوانحی خاکہ لکھنا شروع کیا جو قسط وار شائع ہوتا رہا۔ مارچ ۱۹۹۳ء میں الیاس شاکر کے روزنامہ ''قومی اخبار'' میں یہی مضمون قسط وار شائع ہوا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر ساجد امجد نے قابلؔ اجمیری اور حمایت علی شاعرؔ کے اختلافات کا مفصل ذکر کیا۔ ان دو حضرات میں اختلاف تو تھا اور ان کے اپنے اپنے گروپ تھے لیکن درحقیقت اس اختلاف میں شدّت اگست ۱۹۶۲ء کو جام شورو میں منعقد ہونے والے ایک مشاعرے سے پیدا ہوئی جس کا مفصل احوال بعد میں درج کیا جائے گا۔ ایک تنقیدی نشست بھی اس اختلاف کی وجہ بنی۔ اس کا تفصیلی تذکرہ بھی بعد میں بیان کیا جائے گا۔

بقول ڈاکٹر ساجد امجد، قابلؔ اجمیری نے پہلی بار اس اختلاف کا ذکر اپنے قریبی دوست ماسٹر الطاف سے کیا۔ ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں:

www.urduchannel.in

''قابلؔ کی ہنسی چھن گئی، ماسٹر الطاف سے اس کی یہ حالت چھپی نہ رہ سکی۔قابل صاحب آج کل آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں؟ کیا بتاؤں کچھ شاعر اس شہر میں ایسے ہیں جو میری شہرت سے حسد کرنے لگے ہیں۔خود تو ان میں صلاحیت ہی نہیں، مجھے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں''(۱)

قابلؔ اجمیری کے درج بالا بیان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے خلاف بننے والا گروپ نہایت مضبوط تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ دلبرداشتہ ہو گئے۔قابلؔ اجمیری نے جن لوگوں کی، شکایت ماسٹر الطاف سے کی،ڈاکٹر ساجد امجد کے بقول ان میں حمایت علی شاعرؔ،عثمان عرفانیؔ،قدیر غوثیؔ،قاصد عزیزؔ،اخترؔ انصاری اورنعمت اللہ شیخ (ادب دوست تاجر) شامل تھے۔قابلؔ اجمیری کے حمایتی شعرامیں محسنؔ بھوپالی، حسن ظہیر،محمد حسین قریشی،عبداللطیف آبدؔ،مشہود انور، رفیق ریواڑوی، تراب گوالیاری، ارتضیٰ عزمی، ضیا اکبر آبادی اور منذر حسین شامل تھے۔

پاپولر انسٹی ٹیوٹ کی ایک نشست میں بھی یہ معاصرانہ چشمک دیکھنے کو ملی۔نشست کے آخر میں حمایت علی شاعرؔ، قابلؔ اجمیری اور عبدالقیوم باقی رہ گئے تو حمایت علی شاعرؔ کا نام پکارا گیا کہ وہ آکر اپنا کلام سنائیں مگر اُنھوں نے اس میں اپنی ہتک سمجھی اور ناظم کے فرائض انجام دینے والے محبوب غوری سے کہا کہ وہ پہلے قابلؔ کو پڑھوائیں۔صدر مشاعرہ مبارک علی شاہ کی مداخلت پر حمایت علی شاعرؔ پہلے پڑھنے پر آمادہ ہوئے۔

اب ہر مشاعرے میں قابلؔ اجمیری کو نہ صرف تقدیم وتاخیر والے مسئلے کا سامنا تھا بلکہ اس کے شعر پر داد بھی نہ ملتی تھی۔شعر چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو قابلؔ اجمیری کا مخالف گروہ اسے لائقِ داد نہیں سمجھتا تھا اور دوسری جانب حمایت علی شاعر اوران کے حمایتیوں کے ہر شعر پر واہ واہ کا شور بلند ہونے لگتا۔صورت حال یہاں تک پہنچ گئی کہ شیخ صاحب نے قابلؔ صاحب کے خلاف نوجوانوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جو قابلؔ اجمیری کے خلاف مشاعرے میں باقاعدہ ہلڑ بازی

www.urduchannel.in

کرتا اور قابلؔ اجمیری کو زِچ کرنے کی پوری کوشش کرتا۔

یہ اختلاف اگست ۱۹۶۲ء کو جام شورو میں منعقد ہونے والے ایک مشاعرے میں اس وقت انتہا کو پہنچ گیا جب حمایت علی شاعرؔ نے قابلؔ اجمیری کی صدارت میں کلام سنانے سے انکار کر دیا۔ محسن بھوپالی بیان کرتے ہیں:

> ''مجھے اچھی طرح یاد ہے مشاعرہ شباب پر تھا کہ اچانک صدرِ مشاعرہ نے مائک سنبھالا اور ایک رندھی ہوئی آواز نے فضا میں سوگواری کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ حضرات میری صدارت پر ایک میرے ہم عصر شاعر کو اعتراض ہے اس لیے منتظمین کے کہنے پر صدارت سے دست بردار ہوتا ہوں اور میں گھر جا رہا ہوں۔' میں نے محسوس کیا جیسے یہ میری توہین ہوئی ہے، میں تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا اور قابلؔ صاحب کا ہاتھ تھام لیا۔ چند لمحوں بعد قابلؔ مسند صدارت پر تھے۔'' (۲)

پندرہ روزہ ''رہنما'' حیدر آباد نے جام شورو کے اس مشاعرے کے متعلق جو خبر شائع کی اس کے مطابق بھی حمایت علی شاعرؔ نے قابلؔ اجمیری کی صدارت میں کلام سنانے سے معذرت کی۔ اخبار کے مطابق:۔

> ''مشاعرے کے آغاز کے وقت قابلؔ اجمیری سے منتظمین نے صدارت کی درخواست کی اور اس کی تائید دو شاعروں نے کی جن میں کراچی کے ایک مہمان شاعر بھی تھے۔ حمایت علی شاعر بھی وہاں موجود تھے، اس وقت اُنھوں نے کوئی اختلاف ظاہر نہیں کیا لیکن مشاعرہ شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد پنڈال سے باہر چلے گئے اور مشاعرے کے منتظمین سے مطالبہ کیا کہ قابلؔ اجمیری کو مسندِ صدارت سے ہٹا کے کسی اور کو صدر بنایا جائے ورنہ میں اپنا کلام سنائے بغیر واپس چلا جاؤں گا۔'' (۳)

www.urduchannel.in

پندرہ روز ''رہنما'' نے اپنی خبر میں یہ بھی لکھا کہ حمایت علی شاعرؔ کلام سنائے بغیر چلے گئے۔ مگر اس مشاعرے کے بارے میں حمایت علی شاعرؔ کا نقطۂ نظر بالکل مختلف ہے۔ حمایت علی شاعرؔ کہتے ہیں کہ اُن سے منتظمین نے اس مشاعرے کی صدارت کی درخواست کی تھی مگر جب وہ مشاعرہ گاہ میں پہنچے تو مسندِ صدارت پر قابلؔ اجمیری کو پا کر اُنھوں نے منتظمین سے احتجاج ضرور کیا لیکن قابلؔ صاحب کی صدارت میں اپنا کلام بھی سنایا۔

اس مشاعرے کے متعلق محسن بھوپالی کا یہ مضمون جب تیسری دفعہ ۵ نومبر ۱۹۸۵ء کو روزنامہ ''پاسبان'' حیدرآباد میں شائع ہوا تو سید کاظم رضا نے اسی روزنامہ میں اس کا جواب لکھا جو کچھ یوں تھا:

> محسن بھوپالیؔ نے اپنے مضمون میں جس مشاعرے کا ذکر کیا ہے اس مشاعرے کے منتظمین نے حمایت علی شاعرؔ سے رابطہ کر کے اُنھیں بہ اصرار اس امر پر آمادہ کیا تھا کہ وہ مذکورہ مشاعرے کی صدارت قبول کرلیں مگر محسن بھوپالیؔ کو یہ بات گوارہ نہ ہوئی۔ اُنھوں نے اندر ہی اندر ساز باز کر کے صدارت کی مسند پر قابلؔ اجمیری مرحوم کو بٹھا دیا۔ حمایت علی شاعر نے اس طرزِ عمل پر احتجاج کیا تھا مگر احتجاج کا رُخ ہرگز قابلؔ اجمیری مرحوم کی طرف نہیں تھا۔ اُنھوں نے احتجاج بھی کیا اور پھر بعد میں قابلؔ اجمیری کی صدارت میں کلام بھی سنایا۔'' (۴)

محسن بھوپالی کا کہنا ہے کہ درج بالا مضمون کے لکھاری (کاظم رضا) اس مشاعرے کے چشم دید گواہ نہیں اس لیے ان کا درج بالا بیان غلط ہے۔ اس مشاعرے کے علاوہ ۱۹۶۲ء میں ہونے والی ایک تنقیدی نشست بھی وجۂ نزاع بنی۔ اس نشست میں قابلؔ اجمیری نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی تھی مگر بقول محسن بھوپالی، ایک شاعر اور ان کے چند ساتھیوں نے تابڑ توڑ حملے کر دیے، جوشِ تنقید میں نہیں بلکہ جوشِ تنقیص میں۔ حمایت علی شاعر اس اعتراض سے بھی اپنے

www.urduchannel.in

آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جناب محسن بھوپالی اور جناب حمایت علی شاعر جو لڑائی لڑ رہے تھے یہ ان دو حضرات کی ذاتی لڑائی تھی اور قابل اجمیری کو اس سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ قابل اجمیری دشمنیاں پالنے والے شخص نہیں تھے۔ اُنھوں نے ماسٹر الطاف سے اگر کچھ شعرا کے ناروا رویے کا اظہار کیا تو یہ معمول کی بات تھی۔ شعرا میں گروہ بندیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح جام شورو مشاعرے والی بات کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ قابل اجمیری اور حمایت علی شاعر، دونوں نے مشاعرے میں شرکت کی، کلام سنایا اور لوگوں سے داد سمیٹی۔

محسن بھوپالی نے اس مشاعرے میں پیدا ہونے والی صورت حال کو اپنے مضمون میں نمایاں کر کے اسے مختلف رسائل میں شائع کروایا۔ طالب علم ڈائجسٹ کے قابل نمبر میں بھی یہ مضمون شامل ہے اور اس مختصر مضمون میں محسن بھوپالی نے جام شورو والے مشاعرے اور ۱۹۶۲ء میں ہونے والی تنقیدی نشست کے علاوہ کچھ بیان نہیں کیا۔ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد کے قابل اجمیری نمبر کے بعد راجستھان اردو اکادمی جے پور (ہندوستان) کے سہ ماہی شمارے ''نخلستان'' (اکتوبر ۱۹۸۶ء تا مارچ ۱۹۸۷ء) نے بھی قابل اجمیری نمبر شائع کیا۔ ان دونوں رسائل میں کسی اور مضمون نگار نے جام شورو والے مشاعرے اور ۱۹۶۲ء میں ہونے والی تنقیدی نشست کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی قابل اجمیری اور حمایت علی شاعر کے اختلافات پر کچھ لکھا۔

میں اپنے قیامِ حیدر آباد (۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۵ء) کے دوران میں دونوں حضرات یعنی جناب محسن بھوپالی اور جناب حمایت علی شاعر سے ملا۔ حمایت صاحب نے مجھے قضیۂ قابل پر لکھی گئی مرزا سلیم بیگ کی کتاب ''احوال واقعی'' دی جس میں حمایت صاحب کا مؤقف بیان کیا گیا ہے اور محسن بھوپالی صاحب نے ''کلیاتِ قابل'' ۱۹۹۴ء کا وہ ایڈیشن کاپی کروا کے دیا جس میں ڈاکٹر ساجد امجد کا تحریر کردہ قضیۂ قابل بیان کیا گیا تھا۔ ان صاحبان سے ملاقاتوں اور قضیۂ قابل پر ان کے لکھے ہوئے مطبوعہ مواد کو پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ قابل اجمیری کے

www.urduchannel.in

حوالے سے لڑی جانے والی جنگ دراصل ان حضرات (محسنؔ بھوپالی اور حمایت علی شاعرؔ) کی آپس کی جنگ ہے۔ میں قابلؔ اجمیری کے ایک ہمعصر سعید احمد سعیدی سے بھی ملا مگر اُنھوں نے اس اختلاف کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ بعدازاں ''کلیاتِ قابلؔ'' ۱۹۹۴ء سے بھی قضیۂ قابلؔ حذف کر دیا گیا۔

www.urduchannel.in

باب ۔(۵)

قابلؔ اجمیری کی غزل گوئی

اردو غزل کا ارتقا

غزل شاعری کی اہم ترین صنف ہے۔ اصطلاحی معنوں میں ایک عرصے تک غزل سے مُراد درد و غم کی وہ کیفیات تھیں جنھیں شاعر اپنا موضوع بناتے تھے۔ اس لیے غزل کے ساتھ وارداتِ قلب کی مناسبت ضروری خیال کی جاتی تھی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ غزل میں موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دراصل ''غزل محض عورتوں سے باتیں کرنا نہیں'' بلکہ اس کے معنی و مفہوم میں ہرن کی وہ صدائے دردناک بھی شامل ہے جو شکاری کُتّے کو اپنے بہت قریب پا کر چیخ کی صورت میں بلند ہوتی ہے۔ غزل، غزال سے مشتق ہے۔ غزال ہرن کو کہتے ہیں۔ چیخ یا صدائے احتجاج کا استعمال غزل میں اور خصوصاً ہر جبر کے عہد کی غزل میں بخوبی ہوا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ غزل ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں مضامین اور اسالیب کی وسعت اور تنوّع کا امکان دوسری اصناف سے کہیں زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے مقابلے میں دوسری اصنافِ سخن مثلاً مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی وغیرہ پر اہلِ فن کی وہ توجہ نہیں رہی جو غزل کے حصے میں آئی۔ غزل ہر دور میں ایک معروف اور مقبول صنفِ سخن رہی ہے اور ہر شاعر نے اس صنف کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے استعمال کرنا پسند کیا ہے۔

اردو میں یہ صنف فارسی سے آئی اور مولانا شبلی نعمانی کے مطابق فارسی میں غزل کا آغاز

عربی قصیدے کی تشبیب سے ہوا۔فارسی شاعری کا باوا آدم ''ابوالحسن رودکی'' کو مانا جاتا ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ غزل کی صنف اُسی کے زمانے میں رواج پانے لگی تھی۔اردو غزل کا ظہور اردو زبان کے ابتدائی تشکیلی زمانے میں ہوا اور آج بھی اس صنف کی وہی اہمیت ہے جو شروع دن سے تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ نئی فکر اور سماجی عوامل اردو غزل کے خاکے میں رنگ بھرتے رہے۔ نئے حالات کی روشنی میں نئی منزلوں کی تلاش کا کام اردو غزل نے مسلسل سرانجام دیا۔ اقبالؔ نے نہ صرف غالبؔ کی فکری شاعری کی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ غزل میں اپنے حکیمانہ نقطہ نظر کی ترجمانی بھی کی۔حالیؔ سے اقبالؔ تک گو نظم کے فروغ کا دور رہا لیکن اس دوران میں بھی غزل اپنی رنگینیوں سے دلوں کو لبھاتی رہی۔

کلاسیکی غزل کے استعارات اپنے قدیم معانی کے ساتھ جدید توسیعی مفہوم میں کثرت سے استعمال ہوتے رہے تاہم اقبال کے انفرادی استعاراتی نظام کے بعد ترقی پسندوں نے اپنا اجتماعی استعاراتی نظام بنالیا اور اس میں توسیع کا عمل جاری رہا۔ترقی پسند غزل گوشعرا میں فیض احمد فیض افادیت اور نظریات کی ترسیل کے ساتھ ساتھ جمالیاتی قدروں کے بھی متلاشی رہے اس لیے ان کے ہاں غم روزگار، آفاقیت، غم کائنات اور انسان دوستی کا جذبہ نظر آتا ہے۔

یہ فضا تقسیم سے قبل تک قائم رہی تاہم برصغیر کی تقسیم کے ساتھ ہی فسادات کا وہ خونیں سلسلہ شروع ہوا جس نے نفرت وحقارت کو جنم دیا۔اردو غزل بھی اس سے متاثر ہوئی اور ایک بار پھر ذاتی حزن وملال غزل میں در آیا۔

اردو غزل۔قیامِ پاکستان تا حال

قیامِ پاکستان کے وقت جو غزلیں لکھی گئیں ان میں ہجرت اور فسادات کے واقعات کو موضوع بنایا گیا۔تقسیم ملک کے وقت جب لوگوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور جان ومال کی قربانی دی تو اس ہجرت اور اس وقت ہونے والے فسادات کا اثر شعرا پر بھی ہوا۔اس دور میں زیادہ تر روایتی

انداز کی غزلیں لکھنے کا رواج تھا تاہم جگر مراد آبادی ، فانی بدایوانی، حسرت موہانی، یاس یگانہ چنگیزی اور اصغر گونڈوی جیسے شعرا کی غزلوں میں نئے موضوعات نظر آئے یا پھر پرانے طرزِ سخن میں میں جدّت کی بھی آمیزش نظر آئی۔

اس کے ساتھ ساتھ کلاسیکی غزل کا تسلسل بھی برقرار رہا۔قیامِ پاکستان کے وقت غزل اورنظم دونوں کو یکساں مقبولیت حاصل تھی تاہم غزل گوئی بہت سے شعرا کا پسندیدہ پیرایۂ اظہار بنی۔اس کی وجہ اس وقت ہونے والے فسادات اور ہنگامے تھے اور ہجرت کے بعد خواہشوں ، امیدوں کا پورا نہ ہونا بھی غزل میں جذباتی اظہار کا باعث بنا۔

قیام پاکستان کے بعد اردو غزل میں بہت سے شعرا موجود تھے جن میں ابوالاثر حفیظ جالندھری ،احسان دانش،سید عابد علی عابد، ناصر کاظمی ،احمد ندیم قاسمی ،باقی صدیقی ،عبدالحمید عدم اور قتیل شفائی وغیرہ شامل تھے۔قیام پاکستان کے وقت بہت سے ایسے شعرا بھی تھے جنھوں نے میؔر کے رنگ کو بہت حد تک اپنایا اور میؔر کی تقلید میں شاعری کا چراغ روشن رکھا۔ان شعرا میں ناصر کاظمی ،میرا جی ،ابن انشاء اور مختار صدیقی قابلِ ذکر ہیں۔غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں:

> ’’میؔر کے اثرات مختلف شعرا پر مختلف طرح سے مرتب ہوئے کسی نے میؔر کے درویشانہ اور جوگیانہ طرز کو اپنایا ،کسی نے لمبی بحروں کے ذریعے اکتساب کیا،کسی نے میؔر کی زبان وبیان کو اپنانے کی کوشش کی۔‘‘(۱)

قیامِ پاکستان کے بعد لکھی جانے والی غزلوں میں جو رنگِ میؔر نظر آیا وہ اس وقت کے حالات اور فسادات کے باعث تھا جو میؔر کے دور سے مماثل تھے اور محض شعرا کو اپنا عہد میؔر کے عہد جیسا لگا۔اس طرح بہت سے شعرا جو ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے انھوں نے آزاد ملک تو حاصل کر لیا لیکن پچھلے وطن کی یادیں ان کے دل میں موجود رہیں اسی لیے ان کی شاعری میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کی جدائی اور ان کی محبتوں کا ذکر ملتا ہے۔قابؔل اجمیری بھی اسی قبیل کے فرد تھے۔اس حوالے سے غفور شاہ قاسم کہتے ہیں:

''جو شعرا ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے ان کے لیے یہ علاقہ دارالامان تو
تھا مگر ان کے دل میں چھوڑے ہوئے وطن کی کسک بھی موجود تھی۔''(۲)

قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی غزل کی مقبولیت کا دور شروع ہوا۔اس دور میں غزل گو شعرا کی تعداد میں اضافہ ہوا۔اس دور میں ناصؔر کاظمی ایک ایسا شاعر تھا جس کی شاعری پر میؔر کے اثرات غالب نظر آتے ہیں۔ناصؔر کاظمی نے ہجرت کے موضوع پر بہترین شاعری کی۔قابؔل اجمیری نے بھی اپنے وطن کی یادوں کو موضوع بنایا۔

قیامِ پاکستان کے بعد غزل گو شعرا کے تین گروہ سامنے آتے ہیں جن میں پہلا گروہ پہلے ہی سے ایک نمایاں مقام کا حامل تھا۔لیکن دوسرے گروہ نے پچاس کی دہائی کے بعد شہرت حاصل کی اور تیسرے گروہ کو اس کے بعد شہرت حاصل ہوئی۔تیسرے گروہ نے شاعری کی ابتدا ہی قیامِ پاکستان کے بعد کی۔

جن شعرا کی غزلوں کے مجموعے قیامِ پاکستان کے بعد چھپے ان میں احمد ندیم قاسمی ایک ایسے شاعر ہیں جن کے ہاں غزلوں کے مختلف موضوعات ملتے ہیں اور ان کا اندازِ بیان بھی جدیدیت کا حامل ہے۔اس دور کے شعرا میں فیض احمد فیضؔ کی شاعری بھی خصوصیت کی حامل ہے۔ان کے ہاں غزلوں میں عشقیہ علامتیں سیاسی معنوں میں استعمال کی گئیں۔قتیل شفائی کی شاعری بھی امتیازی خصوصیت کی حامل ہے تاہم ان کی شاعری میں قنوطیت، یاس و ناامیدی کی فضا چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد کے غزل گو شعرا میں ظہیر کاشمیری بھی شامل ہیں۔ان کی شاعری میں لفظوں اور لہجے کو خاص اہمیت حاصل رہی۔قیامِ پاکستان کے بعد جب پہلا مارشل لا لگا تو اس وقت جو کرب ناک صورتِ حال پیدا ہوئی اس نے مسلمانوں میں آزادی کے اس خیال کو ختم کر دیا جو قیامِ پاکستان کے وقت پیدا ہوا تھا۔اس وقت کی غزلوں میں مارشل لا کی حدود و قیود کے اثرات نظر آتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر خالد علوی کہتے ہیں:

''۱۹۵۸ء کے بعد پاکستانی شعرا میں تہہ داری بڑھی۔ پاکستانی عوام کا عدم اطمینان، بے چینی، گھٹن جیسے موضوعات تیزی سے غزل میں داخل ہوئے۔ اس عہد کی غزل میں منفی اور مثبت تجربات کا طویل سلسلہ ہے۔'' (۳)

اس طرح ساٹھ (۶۰) کی دہائی میں بھی غزل کے موضوعات کے حوالے سے بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اسلوب واظہار کے نئے تجربے ہوئے۔ اس میں نئی تراکیب اور لفظیات نے بھی غزل میں جگہ پائی۔ ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

''ساٹھ کی دہائی میں موضوعاتی اور فنی سطح پر بڑی تبدیلیاں آئیں۔ شاعری میں بھی افسانے کے مقابلے میں داخلی احساسات کی زیادہ ترجمانی ہوئی۔ داخلیت پسندی گہری ہو کر نفسیاتی دروں بینی اور دوسری ذات کی تلاش محرّک ہوئی۔ نئی لسانی تشکیلات، استعارہ سازی کا نیا تصور، علامت و تجرید کی بحثیں موضوعات پر طاری ہو گئیں۔ ہیئت اور تکنیک کے نئے تجربوں اور اسلوب واظہار کے نئے انداز نے تفہیم اور ترسیل کے مسائل پیدا کیے۔ موضوعات کا دائرہ سمٹ گیا اور ہیئت وتکنیک اور اسلوب واظہار کے نئے لہجے کی راہیں کھلیں''۔ (۴)

ساٹھ (۶۰) اور ستّر (۷۰) کی دہائی میں جن شعرا کو شہرت ملی ان میں منیر نیازی، شکیب جلالی، کشور ناہید، ساقی فاروقی، ناصر زیدی، انور شعور، پروین فنا سیّد، سحر انصاری، غلام محمد قاصر، امجد اسلام امجد، خالد احمد ظفر اقبال، شہزاد احمد جون ایلیا، افتخار عارف، خورشید رضوی اور صبیحہ صبا شامل ہیں۔

۱۹۷۷ء کے مارشل لاء اور سقوطِ ڈھاکہ کے المیے، جمہوری آزادیوں کی تحریک، قومی اتحاد کی تحریک اور ستّر کی دہائی میں ہونے والے اہم واقعات نے شعر وادب کو بہت متاثر کیا اور اسی حوالے سے کئی نئے موضوعات بھی غزل میں آئے۔ اس دہائی کی اہم شاعرات میں پروین شاکر کا

www.urduchannel.in

نام بھی آتا ہے۔ان کے ہاں بھی موضوعات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔اسی طرح دورِاوّل کی ایک اہم شاعرہ ادا جعفری بھی تھیں۔بقول امجد اسلام امجد:

”ادا جعفری کی شاعری میں اردو غزل کی روایت اور اس میں شامل ہونے والے جدید رویوں کا ایک خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔“(۵)

ان کے علاوہ دوسری بہت سی شاعرات جنھوں نے دلوں کو لبھانے والی شاعری کی ہے ان میں زہرہ نگاہ،فہمیدہ ریاض،شبنم شکیل،ثمینہ راجہ،فاطمہ حسن،شاہدہ حسن،منصورہ احمد،شہناز نور،یاسمین حمید،نورین طلعت عروبہ،نوشی گیلانی اور افشاں عباسی کے نام نمایاں ہیں۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک غزل نے ارتقا کا طویل سفر کیا ہے اور اب وہ اس قابل ہے کہ گُل و بلبل اور جام و مینا کے فرضی قصوں کی بجائے زندگی کی حقیقتوں کو بیان کر سکے۔ پاکستان میں لکھی جانے والی غزلوں میں نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا میں ہونے والے ہر واقعے کو موضوع بنایا گیا اور ہر قسم کے مظالم یا حادثات جو دنیا میں وقوع پذیر ہوئے،ان سب کا ذکر پاکستانی غزل میں موجود ہے۔اس طرح پاکستانی غزل ہر طرح سے پاکستان کی ثقافتی،سماجی اور تہذیبی تاریخ کی آئینہ دار معلوم ہوتی ہے۔

اسّی(۸۰) کی دہائی اور اس کے بعد اردو غزل کو چار چاند لگانے والے اہم شعراء میں عباس تابش،سعود عثمانی،اختر عثمان،شاہین عباس،عابد سیال،شناور اسحاق،علی اکبر عباس،ضیاالحسن اور قمر رضا شہزاد نمایاں ہیں۔بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے آغاز میں سامنے آنیوالے شعراء میں شہزاد نیّر،اختر رضا سلیمی،علی یاسر،ضیاءالمصطفی تُرک،افضل گوہر،طاہر شیرازی ،شہاب صفدر،خورشید ربانی،اکبر معصوم،پرویز ساحر وغیرہ نمایاں نام ہیں جو پاکستان میں غزل کے رُخ کو نکھارنے میں محو ہیں۔

www.urduchannel.in

قابلؔ اجمیری کی غزل گوئی

قیام پاکستان سے قبل کے ادبی منظرنامے کو سامنے رکھتے ہوئے اردو میں غزل گوئی پر اگر بات کی جائے تو ذہن میں ولیؔ دکنی، سوداؔ، میر تقی میرؔ، مصحفیؔ، آتشؔ، غالبؔ، اقبالؔ، فیض احمد فیضؔ اور احمد ندیم قاسمیؔ کے نام آتے ہیں۔ معروف دانشور ڈاکٹر انور سدید نے کہا تھا کہ اٹھارہویں صدی میر تقی میرؔ کی تھی، انیسویں غالبؔ کی اور بیسویں صدی اقبالؔ کی تھی۔ اقبال اور مندرجہ بالا شعرا میں محض زمانی بُعد ہی نہیں بلکہ ان کا فکری رویہ اور اندازِ نظر بھی مختلف ہے۔

اقبال کی غزل ایک نئی روایت کو مستحکم کرتی نظر آتی ہے۔ اس کے پیچھے الطاف حسین حالیؔ کا وہ نظریہ کام کر رہا ہے جو اُنھوں نے مقدمہ شعر و شاعری میں پیش کیا۔ اس لحاظ سے حالی جدید غزل کے بانی قرار پاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی اپنی غزلیں روایت کی پاسداری اور اسی زاویۂ فکر کی نمائندہ ہیں جو غالب و شیفتہ کے زیرِ تربیت وجود میں آیا تاہم بعد میں جب نقطہ نظر تبدیل ہوا تو نئی غزل نے اپنا راستہ بدلا۔ اقبال کی غزل غالب کی فکر اور حالی کی مقصدیت کا امتزاج ہے۔ یہ نہیں کہ عہد اقبال میں سب شعرا نے اس روش کو اپنایا لیکن جدید اور جدید تر غزل میں جو فکری اور مقصدی عناصر در آئے ہیں وہ اسی احساس کا پرتو ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد کی غزل کا تجزیہ کیا جائے تو پاکستان میں اردو غزل کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا ناصر کاظمیؔ کے سر سجتا ہے۔ ظفر اقبال، شکیبؔ جلالی، شہزادؔ احمد، خالدؔ احمد، نجیبؔ احمد، محسنؔ احسان، احمد فرازؔ، محسن بھوپالیؔ اور قابلؔ اجمیری نے بھی اردو غزل کے گیسو سنوارے۔ فراقؔ گورکھپوری، ناصرؔ کاظمی، احمدؔ مشتاق، اطہرؔ نفیس کے ہاں کا غم ایک خاص تہہ داری اور عصری آگہی کے ساتھ نمایاں ہوا ہے۔ فانیؔ بدایونی، فیض احمد فیضؔ، شکیبؔ جلالی، قابلؔ اجمیری، محسن احسان، افتخار عارف، غلام محمد قاصرؔ اور جمالؔ احسانی کے ہاں غالب کی سوچ، نئی علامتوں اور استعاروں کے ساتھ ظہور کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جوشؔ ملیح آبادی اور کلیم الدین احمد نے غزل کے خلاف آواز اٹھائی۔ ظفر اقبال اور اس قبیل کے دوسرے شعرا نے لسانی تشکیلات کو بنیاد بنا کر منفرد ہونا

www.urduchannel.in

چاہا۔لیکن حقیقی عظمت ان ہی کے حصے میں آئی جنھوں نے غزل کی روایت سے رشتہ جوڑ کر خیال اور فکر کی سطح پر ارتقائی سفر کیا۔

۵۰ء کی دہائی کے اکثر و بیشتر شعرا وہی ہیں جن کی پیدائش قیام پاکستان سے کچھ پہلے یا کچھ بعد کی ہے انھیں خالصتاً پاکستانی شاعر کہا جا سکتا ہے۔ پاکستانیت کے نقوش ان کے ہاں نہایت واضح اور روشن ہیں۔ثروتؔ حسین، خالد اقبال یاسرؔ،محمد اظہار الحق ،جلیل عالیؔ، صابر ظفرؔ، اور جمال احسانی وغیرہ ایسے ہی شاعر ہیں۔

جدید پاکستانی غزل گہرے سیاسی، سماجی، تاریخی ،نفسیاتی اور اقتصادی حوالے رکھتی ہے۔۵۰ء کی دہائی کے شعرا جہاں اس تاریخی تسلسل کا حصہ ہیں جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے شروع ہوا، وہاں ان کے ہاں قیام پاکستان کے بعد،ہجرت، نئے نظام سے امیدیں پرانی قدروں کی شکست وریخت، نئے سیاسی وسماجی مسائل،سمندر پار پرواز کی خواہش، پاک بھارت تنازعات ، ملکی و غیر ملکی سازشیں، معاشرتی ناہمواریاں اور اس طرح کے دیگر موضوعات ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

۵۰ءاور۶۰ کی دہائی کے شعرا کے ہاں اظہار کے قرینے مختلف ہیں۔قوافی اور تکرارِ لفظی ،اضافت وتراکیب، رنگوں، پرندوں، جانوروں، حشرات الارض، داستانی کردار،انگریزی الفاظ کا استعمال اور اس طرح کے دیگر منفرد پہلو موجود ہیں۔ان شعرا کے ہاں ہجوم میں گم ہونے کے بجائے ایک علیحدہ راستہ اختیار کرنے کی خواہش شدید تر ہے۔یہ تمام شعرا لکیر کے فقیر نہیں بلکہ یہ عام ڈگر سے ہٹ کر چلنے والے تھے۔

قابلؔ کی غزل کا فکری وموضوعاتی جائزہ

درج بالا تمہید کی روشنی میں جب ہم قابلؔ اجمیری کی غزل کا فکری وموضوعاتی جائزہ لیتے ہیں تو وہ ہمیں منفرد نظر آتا ہے۔فکری وموضوعاتی لحاظ سے اس کی شاعری کے مختلف رنگ ہیں جنھیں ہم اگر الگ الگ کر کے دیکھیں گے تو یہ رنگ ہمیں اور زیادہ نکھرے ہوئے نظر آئیں

www.urduchannel.in

گے۔ آئیں ان رنگوں اور کیفیات کو علیحدہ علیحدہ کر کے دیکھتے ہیں۔

ا۔ مذہبی رنگ

اردو شاعری کے مجموعوں پر نظر ڈالیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اکثر شعرا کی شاعری کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے۔ قابلؔ اجمیری نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ سراسر مذہبی ماحول تھا مگر اس رنگ میں رنگِ معرفت زیادہ نمایاں تھا۔ سماع کی محافل اور صوفیانہ کلام قابلؔ کی سماعتوں میں محفوظ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قابلؔ اجمیری کے کلام میں ہمیں حمد و نعت کی بجائے منقبت نظر آتی ہے۔ ان کے تمام کلام میں صرف ایک نعت شامل ہے جو کلیات قابلؔ کے باقیاتِ قابل والے حصے میں موجود ہے:

جمالِ محمد سے تزئینِ عالم جمالِ محمد گلستاں گلستاں
منوّر منوّر معطّر معطّر فروزاں فروزاں درخشاں درخشاں

نگاہِ بلالؓ کی تابانیاں ہوں کہ چشمِ اویسؓ کی حیرانیاں ہوں
وہی روشنی ہے تحیّر تحیّر وہی سلسلہ ہے گریباں گریباں

فراقِ نبی کی لطافت نہ پوچھو جنونِ طلب کی نزاکت نہ پوچھو
مہکتے ہیں کانٹے کھٹکتے ہیں غنچے بیاباں بیاباں گلستاں گلستاں

عجب بیکسی ہے، مدد کر خدارا نہ جینے کی صورت نہ مرنے کا یارا
کنارے بھی ہم سے کشیدہ کشیدہ تلاطم بھی ہم سے گریزاں گریزاں

خیالِ رسالت مآب آ رہا ہے دلِ ناتواں پر شباب آ رہا ہے
شبِ غم کی تاریک وادی میں جیسے سحر آ رہی ہے خراماں خراماں

کہیں بادِ صرصر رمیدہ رمیدہ کہیں نکہتِ گل پریدہ پریدہ
تری جستجو ہے بیاباں بیاباں تری آرزو ہے خیاباں خیاباں

یہی ہے تری کامیابی کا رستہ اب آیا مدینہ وہ آیا مدینہ
بڑھے جا مسافر دمادم دمادم چلے جا مسافر شتاباں شتاباں

کہاں کے اندھیرے کہاں کے اجالے تجھے دیکھ لیتے ہیں احساس والے
ترا نورِ عارض تجلّی تجلّی ترا عکسِ گیسو شبستاں شبستاں

کرم کی فراوانیاں اللہ اللہ شفاعت کی ارزانیاں اللہ اللہ
خطاؤں کو پایا شکستہ شکستہ گناہوں کو دیکھا پشیماں پشیماں

وہیں تجھ کو آرام آئے گا قابلؔ وہیں پا سکیں گے سکوں دیدہ و دل
مدینے کی شامیں چراغاں چراغاں مدینے کی صبحیں بہاراں بہاراں

۲۔ رجائی لہجہ

چونکہ شاعر معاشرے کے حسّاس افراد میں شمار ہوتا ہے اس لیے وہ معاشرے میں رونما ہونے والی مختلف تبدیلیوں کے بارے میں عام افراد سے زیادہ آگاہی رکھتا ہے۔ قابلؔ اجمیری سماجی اور

سیاسی مسائل کا مکمل ادراک رکھتے تھے اس لیے ان کی شاعری میں ان مسائل کے خلاف ایک رجائی عنصر بھرپور طور پر نظر آتا ہے۔ وہ زندگی کی تلخیوں سے ہار ماننے کی بجائے مزاحمت اور ہمت کا درس دیتے ہیں۔ وہ حالات سے تنگ آ کر زندگی کے خاتمے کی آرزو نہیں کرتے، وہ حیات کی تلخیوں سے گھبرانے والے نہیں، رات چاہے جتنی گراں ہو وہ اپنے شوق کو جواں رکھتے ہیں۔ قابلؔ اجمیری کی اس غزل کے تیور ملاحظہ ہوں:

برہم ہے کائنات مگر جی رہے ہیں ہم
مشکل سہی حیات مگر جی رہے ہیں ہم

شمعیں بُجھی بُجھی سی ستارے اُداس اُداس
دم توڑتی ہے رات مگر جی رہے ہیں ہم

کتنا جواں ہے شوق مگر صبح دور ہے
کتنی گراں ہے رات مگر جی رہے ہیں ہم

قابلؔ کشاکشِ سحر و شام کی قسم
مرنے میں ہے نجات مگر جی رہے ہیں ہم

قابلؔ اجمیری نے تمام عمر بیماری سے جنگ لڑی۔ تپ دق جیسا جان لیوا مرض نہ صرف ان کو بلکہ ان کے والدین کو بھی لاحق رہا۔ موت سے نبرد آزمائی جاری ہو تو آدمی کے خیالات میں مزاحمتی لہجہ آ ہی جاتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سیاسی حالات نے کروٹ لی اور سیاسی انتشار شروع ہوا جو ایوب خان کے مارشل لا پر منتج ہوا۔ ان حالات میں لکھنے والوں پر بھی

www.urduchannel.in

پابندیاں عائد ہوئیں۔کئی اخبار ورسائل حکومتی تحویل میں لے لیے گئے۔کئی اخبارات بند کر دیے گئے۔سوچ پر پہرے بٹھا دیے جائیں تو علامتوں کا سہارا لے کر اپنا مدعا بیان کیا جاتا ہے۔قابلؔ اجمیری کی درج ذیل غزل انھی حالات کی غماز ہے جو انھوں نے ۲ مئی ۱۹۵۹ء کو حیدر آباد کے سالانہ مشاعرے میں پڑھی۔اس مشاعرے کی صدارت حکومت پاکستان کے وزیرِ خزانہ محمد شعیب کر رہے تھے:

تجدیدِ غمِ یار کرو موسمِ گل ہے
ذکرِ لب و رخسار کرو موسمِ گل ہے

ہم بھی دلِ پُر خُوں کی گلابی ذرا چھلکائیں
بھر پور کوئی وار کرو موسمِ گل ہے

بجلی کو پکارو کہ چمن جاگ رہا ہے
گلچیں کو خبردار کرو موسمِ گل ہے

آرائشِ افکار کے دن بیت گئے ہیں
اب جرأتِ گفتار کرو موسمِ گل ہے

زنداں کے در و بام بھی حق مانگ رہے ہیں
کچھ خون کی بوچھار کرو موسمِ گل ہے

اے شہر کے گل پیرہنو بام پہ آؤ
ماحول کو بیدار کرو موسمِ گل ہے

پیغام نہ پہنچے کوئی اربابِ جنوں تک
خوشبو کو گرفتار کرو موسمِ گل ہے

کچھ اور نہیں تو دلِ برباد پہ ہنس لو
ہنسنے سے نہ انکار کرو موسمِ گل ہے

اب انجمنِ رنگ کے آداب ہیں کچھ اور
دیوانوں کو ہشیار کرو موسمِ گل ہے

آزردہ مزاجی تو مقدر ہے خزاں کا
حالات سے پیکار کرو موسمِ گل ہے

قابلؔ دلِ صد چاک ہے سوغات جنوں کی
جی بھر کے اسے پیار کرو موسمِ گل ہے

۳۔ حسن وعشق

عشق ومحبت انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہےاور قابلؔ کا اس پر کامل ایمان تھا۔قابلؔ اس فطری جذبے کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کرتے بلکہ یہ موضوع ان کے ہاں بار بار نت نئے معنوں

www.urduchannel.in

میں آتا ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

''قابلؔ صاحب کی غزلوں میں عشق کا بڑا مہذب تصور ملتا ہے۔یوں وہ
حسن و عشق کی باتیں ذرا کھل کر کم ہی کرتے ہیں اس لیے ان کے یہاں وہ
عام موضوعات نہ ہونے کے برابر ہیں جن کو عام طور پر ولیؔ سے لے کر
اِس وقت تک غزل کا موضوع بنایا جاتا رہا۔''(۶)

قابلؔ اجمیری کی یہ مشہورِ زمانہ غزل بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ آپ عشق کو زندگی میں کس قدر اہمیت دیتے ہیں:

تم نہ مانو مگر حقیقت ہے
عشق انسان کی ضرورت ہے

کچھ تو دل مبتلائے وحشت ہے
کچھ تری یاد بھی قیامت ہے

میرے محبوب مجھ سے جھوٹ نہ بول
جھوٹ صورت گرِ صداقت ہے

جی رہا ہوں اس اعتماد کے ساتھ
زندگی کو مری ضرورت ہے

حُسن ہی حُسن جلوے ہی جلوے
صرف احساس کی ضرورت ہے

www.urduchannel.in

اُس کے وعدے پہ ناز تھے کیا کیا
اب در و بام سے ندامت ہے

اُس کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

راستہ کٹ ہی جائے گا قابلؔ
شوقِ منزل اگر سلامت ہے

قابلؔ اجمیری کی شاعری میں وارداتِ حسن وعشق کی چاشنی کو جا بجا محسوس کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں یہ ایک اہم موضوع ہے۔ ان کی شاعری میں محبت ایک لطیف جذبے کے طور پر سامنے آتی ہے جس کا اظہار وہ نہایت شائستہ الفاظ میں کرتے ہیں۔ محبوب سے محبت میں ان کے ہاں عریانیت کا شائبہ تک نہیں۔ ہجر و وصال کی کیفیات بیان کرتے ہوئے وہ اخلاقیات کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں:

عشق میں تازگی ہی رہتی ہے
وہ نظر چھیڑتی ہی رہتی ہے

جانے کیا ہو پلک جھپکنے میں
زندگی جاگتی ہی رہتی ہے

لاکھ وہ بے نیاز ہو جائیں
حُسن میں دلکشی ہی رہتی ہے

ہجر کی رات ہو کہ صبحِ نشاط
زندگی زندگی ہی رہتی ہے

۴۔ شکوہ وشکایت

گِلے شکوے وارداتِ عشق کا حصہ ہوتے ہیں۔ قابلؔ اجمیری کے ہاں اگرچہ محبوب کی عزت وتکریم مقدم ہے اور وہ حسن کی رسوائی کے قائل نہیں ہیں، پھر بھی ان کے ہاں محبوب سے گلے شکوے کی فضا موجود ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ شکوہ و شکایت میں بھی ان کا لہجہ دھیما اور پروقار نظر آتا ہے۔ آپ قابلؔ کا اندازِ شکایت دیکھیں:

صراحی کا بھرم کھلتا نہ میری تشنگی ہوتی
ذرا تم نے نگاہِ ناز کو تکلیف دی ہوتی

رہِ ہستی کے ہر منظر پہ رکتی ہے نظر اپنی
وہ مل جاتے تو کیا دُنیا میں ایسی دلکشی ہوتی

مری وحشت کا اندازہ تو ہو جاتا زمانے کو
جبینِ زندگی پر اک شکن ہی آ گئی ہوتی

زمانے کی شکایت کیا زمانہ کس کی سنتا ہے
مگر تم نے تو آوازِ جنوں پہچان لی ہوتی

رضائے دوست قابلؔ میرا معیارِ محبت ہے
انھیں بھی بھول سکتا تھا اگر ان کی خوشی ہوتی

شکوہ وشکایت زندگی کا حسن ہے اگر شکوہ وشکایت ختم ہو جائے تو رشتے ماند پڑ جاتے ہیں اوراس کا قابلؔ اجمیری کو بھرپور احساس ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ محبوب سے مخاطب ہو کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں مگر ترکِ تعلق نہیں کرتے۔اس طرح کے شکوہ وشکایت میں ناگواری کا احساس نہیں ہوتا۔شکوہ وشکایت کا ایک اور دلنشیں انداز دیکھیے :

وقفِ بیداد رہے اور شکایت نہ کرے
عشق پابندِ وفا ہے مگر ایسا بھی نہیں

حیرتیں کہتی ہیں وہ آ کے گئے بھی کب کے
ذوقِ نظارہ پشیماں ہے کہ دیکھا بھی نہیں

تم نے پیمانِ محبت تو کیا تھا لیکن
اب تمھیں یاد نہیں تو مجھے شکوہ بھی نہیں

کس کڑے وقت میں بدلی ہیں نگاہیں تم نے
اب مجھے حوصلۂ ترکِ تمنا بھی نہیں

۵۔سیاسی شعور

قابلؔ اجمیری نے تحریکِ پاکستان کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔قائداعظم اور اقبال کے متعلق ان کی نظمیں ان کے سیاسی شعور کی گواہی دیتی ہیں۔ان کی غزل میں بھی یہ سیاسی شعور موجود ہے۔قابلؔ اجمیری کی غزلوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان کا سیاسی شعور بہت پختہ ہے۔وہ ملکی و بین الاقوامی سیاست اور معروضی حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ان کی شاعری میں سیاسی رنگ جابجا نظر آتا ہے۔قیامِ پاکستان کے تناظر میں اس غزل کا مطالعہ کریں:

کیسی رندوں کی طبیعت کیسا پیمانوں کا رُخ
گردشِ دوراں بدل دیتی ہے میخانوں کا رُخ

ہم نے گلزاروں میں بھی دیکھی ہے خاک اُڑتی ہوئی
ایک ہی جانب نہیں رہتا بیابانوں کا رُخ

کیسی کیسی محفلوں میں زلزلے آنے لگے
جوشِ وحشت نے کیا ہے آج ایوانوں کا رُخ

آج بھی وہ غرقِ مستی آج بھی ہم تشنہ کام
میکدہ بدلا مگر بدلا نہ پیمانوں کا رُخ

کیا ہوا ہم کو اگر دوچار موجیں چھو گئیں
ہم نے بدلا ہے نہ جانے کتنے طوفانوں کا رُخ

قابلؔ اجمیری انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ زندگی کے بنیادی معاملات کے بارے میں ان کا مشاہدہ بہت وسیع ہے۔ وہ انسان کو اس کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھاتے ہیں اور نظامِ کائنات میں اس کو نئے آسمانوں پر اڑنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ قابلؔ کو دوہرے معیار کے لوگوں سے شدید نفرت ہے جس کا اظہار ان کے ہاں نمایاں ہے:

اعتبارِ نگاہ کر بیٹھے
کتنے جلوے تباہ کر بیٹھے

آپ کا سنگِ در نہیں چمکا
ہم جبینیں سیاہ کر بیٹھے

موت پر مسکرانے آئے تھے
زندگانی تباہ کر بیٹھے

شمعِ اُمّید کے اُجالے میں
کتنی راتیں سیاہ کر بیٹھے

کِس توقع پہ اہلِ دل قابلؔ
زندگی سے نباہ کر بیٹھے

قابلؔ اجمیری نے سماجی و معاشرتی مسائل کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان بننے کے بعد پیدا ہونے والی سیاسی صورت حال کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ ہمارے معاشرتی رویّوں کی

www.urduchannel.in

تبدیلی کو انھوں نے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ پاکستان کی سیاست پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے تسلّط کا ذکر ہو یا پھر ملک کے سیاسی بحران یا مثبت اقدار کے ملیامیٹ ہو جانے کا مسئلہ، ان کا قلم حرکت میں آجاتا ہے۔

پاکستانی معاشرے کا آغاز نہایت دُشوار حالات میں ہوا تھا۔ کچھ اصول پرست لوگ ملک کو ترقی وخوشحالی کی طرف گامزن دیکھنا چاہتے تھے جب کہ کچھ مفاد پرست اس ترقی وخوشحالی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے درپے تھے۔ اس صورت حال کو قابلؔ اپنی نامرادی سے تعبیر کرتے ہیں:

نامرادی اپنی قسمت گمرہی اپنا نصیب
کارواں کی خیر ہو ہم کارواں تک آگئے

حیرتوں کے سلسلے سوز نہاں تک آگئے
ہم نظر تک چاہتے تھے تم تو جاں تک آگئے

اپنی اپنی جستجو ہے اپنا اپنا شوق ہے
تم ہنسی تک بھی نہ پہنچے ہم فغاں تک آگئے

خود تمھیں چاکِ گریباں کا شعور آجائے گا
تم وہاں تک آ تو جاؤ ہم جہاں تک آگئے

آج قابلؔ میکدے میں انقلاب آنے کو ہے
اہلِ دل اندیشۂ سود و زیاں تک آگئے

www.urduchannel.in

۶۔ حزن وملال

حزن وملال اور رنج والم اردو شاعری بلکہ کسی بھی زبان کی شاعری کا جزو لاینفک ہے۔ ولی دکنی ہو یا میر تقی میرؔ ہر ایک کے ہاں یہ جذبہ کارفرما ہے۔ غمِ ذات کو شعر کا حصہ بنانے کی روایت قابلؔ اجمیری کے ہاں بھی ملتی ہے۔ جس آدمی نے بچپن سے غم والم کا سامنا کیا ہو اس کی شاعری میں حزن وملال کی کیفیات کا در آنا بعید از قیاس نہیں۔ اس رنگ میں رنگی قابلؔ اجمیری کی یہ غزل ملاحظہ ہو:

دن چھپا اور غم کے سائے ڈھلے
آرزو کے نئے چراغ جلے

بڑھ گیا اور غم جدائی کا
آپ سے مل کے ہم نے ہاتھ ملے

سوزِ پروانہ مختصر ہے بہت
جس کو جلنا ہے شمع بن کے جلے

غم کے شعلے لپٹ ہی جاتے ہیں
کوئی دُنیا سے لاکھ بچ کے چلے

لب پہ ہچکی ہے اور تبسّم بھی
جانے ہم کس سے مل رہے ہیں گلے

www.urduchannel.in

قابلؔ اجمیری کے کلام میں موت کا استعارہ بھی عام ملتا ہے۔اپنی مختصر سی زندگی میں انھوں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا۔تپ دق کے عارضے میں مبتلا قابلؔ ہمیشہ موت و حیات کی کشمکش میں رہا۔معاشی بدحالی،احباب کا معاندانہ رویہ اور مسلسل علالت نے اسے تصویرِغم بنا دیا۔غیاث الدین قریشی کے بقول:

''غزل کے قدیم اساتذہ کی طرح قابلؔ کے یہاں بھی گہرے احساس اور عمیق درد کی چھاپ ہے۔''(۷)

قابلؔ اجمیری کے رنگِ سخن کا یہ پہلو ان کی اکثر غزلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔اس رنگِ سخن کی ایک غزل کا نمونہ دیکھیے :

مدتوں ہم نے غم سنبھالے ہیں
اب تری یاد کے حوالے ہیں

زندگی کے حسین چہرے پر
غم نے کتنے حجاب ڈالے ہیں

کچھ غمِ زیست کے شکار ہوئے
کچھ مسیحا نے مار ڈالے ہیں

آخرِ شب کے ڈوبتے تارو
ہم بھی کروٹ بدلنے والے ہیں

اے شبِ غم ذرا سنبھال کے رکھ
ہم تری صبح کے اُجالے ہیں

ذوقِ خود آگہی نے اے قابلؔ
کتنے بُت خانے توڑ ڈالے ہیں

۷۔ خُمریات

جام وسبو کی بات ہماری روایتی شاعری کا حسن سمجھا جاتا ہے۔ایسے شعرا جنھوں نے شراب کو زندگی میں کبھی ہاتھ تک نہ لگایا جام وسبو کی شاعری میں وہ منظر نگاری کرتے ہیں کہ جیسے ان سے بڑا کوئی بادہ نوش ہی نہیں۔امیر مینائی اور مولانا الطاف حسین حالؔی جیسے بزرگوں نے بھی پیرِ مغاں، جام اور پیمانہ جیسے استعارے استعمال کیے۔قابلؔ اجمیری کے ہاں بھی یہ روایت مستحکم ہے کیونکہ اس دور میں بادہ و جام سے خالی شاعری کو مکمل شاعری نہیں سمجھا جاتا تھا۔مگر قابلؔ صاحب نے جام وسبو کی علامات زندگی کے روشن پہلو دکھانے کے لیے استعمال کی ہیں۔اسی رنگ میں ڈوبے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

اُلٹ جاتے ہیں خم گردش میں پیمانہ نہیں رہتا
تمھارے بعد میخانہ بھی میخانہ نہیں رہتا

☆☆☆

ہوش میں آنا کھیل نہیں ہے
ہاتھ سے ساغر چھوٹ نہ جائے

☆☆☆

ہمارے ساتھ ساری بزم بے آرام ہے ساقی
صراحی کو سکوں آیا نہ پیمانوں کو نیند آئی

www.urduchannel.in

یہ رات کچھ بھی نہیں تھی یہ رات سب کچھ ہے
طلوعِ جام سے پہلے طلوعِ جام کے بعد

☆☆☆

۸۔ یادیں

قابلؔ اجمیری کے ہاں یادوں کی بھی بہت اہمیت ہے۔وہ یادوں کو ایک قیمتی اثاثہ تصور کرتے ہوئے اس نظریے کے قائل ہیں کہ تنہائی کے کربناک لمحات میں یادوں کا یہ قیمتی اثاثہ ضرور پاس ہونا چاہئے۔یہ یادیں ان کے آبائی وطن کی بھی تھیں اور اپنے ان پیاروں کی بھی جو اُس پار رہ گئے تھے۔اس احساس کا اظہار ملاحظہ ہو:۔

درد چمکا رہی ہے تیری یاد
نور برسا رہی ہے تیری یاد

وادیٔ فکر ہو کہ منزلِ جہد
راہ دکھلا رہی ہے تیری یاد

یوں دھڑکنے لگا ہے دل جیسے
پہلی بار آ رہی ہے تیری یاد

www.urduchannel.in

دل کی وادی میں چاندنی کی طرح
پھیلتی جا رہی ہے تیری یاد

عمر بھر ہم سمجھ سکے نہ تجھے
آج سمجھا رہی ہے تیری یاد

چاند ہو پھول ہو کہ ساغر ہو
سب کو جُھٹلا رہی ہے تیری یاد

اجنبی اجنبی ہے سارا وجود
مجھ کو اپنا رہی ہے تیری یاد

زندگی کتنی تیز رو ہے مگر
ساتھ ساتھ آ رہی ہے تیری یاد

قابلِ درد آشنا کے لیے
اک مسیحا رہی ہے تیری یاد

۹۔ زندگی کی ترجمانی

قابل اجمیری کے ہاں زندگی ساکت و جامد نہیں بلکہ متحرک اور ترقی پذیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی سے فرار کے نظریے کے حامی نہیں۔ وہ زندگی کے روشن پہلو پر نظر رکھتے ہیں اور تاریک پہلو

www.urduchannel.in

پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی بیماری کی وجہ سے ہمیشہ ان پر موت کے سائے منڈلاتے رہے مگر وہ زندگی اوراس کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہوتے رہے:

زندگی کے حسین چہرے پر
غم نے کتنے حجاب ڈالے ہیں
رہ گذارِ حیات میں ہم نے
خود نئے راستے نکالے ہیں

☆☆☆

تیری مستوں کی زندگی اے دوست
اک سرورِ خوش اعتباری ہے

☆☆☆

وصالِ یار تو ممکن نہیں مگر ناصح
رُخِ حیات اسی آرزو سے روشن ہے

☆☆☆

اجل بھی اس کی بلندی کو چھو نہیں سکتی
وہ زندگی جسے احساسِ زندگی ہو جائے

۱۰۔ ہجرت

ہجرت کا استعارہ اردو شاعری میں عرصۂ دراز سے مستعمل ہے۔تقسیم برصغیر کے بعد بہت سے شعرا نے اس استعارے کومختلف معنوں میں استعمال کیا۔قابل اجمیری کوبھی قیام پاکستان کے وقت ہجرت کے دکھ اور عذاب سے دوچار ہونا پڑا۔اپنوں سے جدائی کا غم،گھر بار کا چھوٹنا،وطن کی یاد،سفر کی صعوبتیں،مہاجر کیمپ میں قیام،دربدری اور بے سروسامانی کے تجربات کے بعد قابل

www.urduchannel.in

اجمیری کے ہاں ہجرت کا استعارہ اپنی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے:

تیز جب صبحِ بہاراں کی لگن ہوتی ہے
ہر نفس میں تری خوشبوئے دہن ہوتی ہے
دل ٹھہرتا ہی نہیں آنکھ جھپکتی ہی نہیں
ہجر میں بھی ترے جلووں کی چبھن ہوتی ہے

☆☆☆

ڈھونڈنے پر کہاں ملیں گے ہم
راہرو ہیں سفر میں رہتے ہیں
لاکھ ہم خانماں خراب سہی
حادثوں کی نظر میں رہتے ہیں
منزلِ زیست کی کشش مت پوچھ
راستے بھی سفر میں رہتے ہیں

قابلؔ کی غزل کا فنی مطالعہ

فکری و موضوعاتی جائزے کے بعد اب قابلؔ اجمیری کی غزل کا فنی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ قابلؔ اجمیری کی اکثر غزلوں میں قافیہ و ردیف کا روایتی انتظام موجود ہے۔ ان کی غزلیات میں بہت کم غیر مردّف غزل ملتی ہے۔ زیادہ تر غزلیں درمیانی بحر میں ہیں۔ اکثر غزلیں آٹھ سے نو اشعار پر مشتمل ہیں۔ وہ مسلسل غزل اور قطعہ بند اشعار کی روایت سے بھی باغی نظر آتے ہیں۔

قابلؔ اجمیری الفاظ کا تخلیقی استعمال جانتے ہیں اور اپنے اس ہنر کو جا بجا استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں الفاظ نگینوں کی طرح جڑے ہوتے ہیں۔ ان کی مرصع سازی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

بہاروں کا فسوں ٹوٹا گلستانوں کو نیند آئی
خزاں آئی کہ تیرے چاک دامانوں کو نیند آئی
ترے ہی حسن کی تابانیوں میں آنکھ کھولی تھی
تری ہی زلف کے سائے میں ارمانوں کو نیند آئی

☆☆☆

وہی اندازِ گویائی وہی احساسِ رُسوائی
تری نظروں میں میری بے زبانی رقص کرتی ہے
کبھی تم نے بھی آوازِ شکستِ دل سُنی ہوتی
یہ وہ نغمہ ہے جس پر زندگانی رقص کرتی ہے

قابلؔ اجمیری نے اپنی غزلوں میں فارسی تراکیب بھی استعمال کی ہیں مگر توازن کے ساتھ۔انھوں نے اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کے لیے فارسی کی بھاری بھرکم تراکیب استعمال کرنے کی بجائے عام فہم تراکیب کو اپنے شعروں میں استعمال کیا ہے:

حدیثِ کاکل و رخسار ہم بھی رکھتے ہیں
کوئی سنے تو غمِ یار ہم بھی رکھتے ہیں
ہمیں بھی شہر نگاراں میں لے چلو یارو
کسی کے عشق کا آزار ہم بھی رکھتے ہیں

☆☆☆

ہم ہی ہیں فاتحِ طلسمِ خرد
ہم کہ گہوارۂ جنوں میں پلے

قابلؔ اجمیری کو چھوٹی اور بڑی بحروں میں شعر کہنے میں کمال حاصل ہے۔چھوٹی بحر میں اپنا مدعا بیان کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ آپ نے کم سے کم الفاظ میں اپنا خیال قاری تک پہنچانا ہوتا ہے

www.urduchannel.in

مگر قابلؔ اجمیری نے کمال مہارت سے چھوٹی بحروں میں خوبصورت اشعار تخلیق کئے ہیں اور بڑی بحروں کے تقاضوں کو بھی احسن طریقے سے نبھایا ہے:

دیدۂ نم کی تھاہ کہاں
ڈوب گئے ہیں کون و مکاں
لالہ وگل کا رنگ نہ دیکھ
لالہ و گل ہیں شعلہ بجاں

☆☆☆

ہزار محکم سہی سفینہ مجھے بھروسہ مگر نہیں ہے
کوئی بھروسہ کرے بھی کیوں کر کہ ناخدا معتبر نہیں ہے

قابلؔ اجمیری کی غزل کو علم بیان کی روشنی میں پرکھا جائے تو اس میں تشبیہ، کنایہ، استعارہ اور مجاز مرسل کی مثالیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔ تشبیہ کی مثال دیکھیں کہ کس مہارت سے الفاظ کو برتا گیا ہے:

نرگس سی آنکھ سرو سا قد پھول سا بدن
ہم ان کو یاد کر کے گلستاں میں آ گئے

☆☆☆

یوں دھڑکنے لگا ہے دل جیسے
پہلی بار آرہی ہے تیری یاد

دل کی وادی میں چاندنی کی طرح
پھیلتی جا رہی ہے تیری یاد

www.urduchannel.in

علمِ بیان کی اصطلاح میں استعارے کا مطلب ہے لفظ کو اس کے حقیقی معنی میں استعمال کرنے کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کرنا۔ درج ذیل اشعار دیکھیے کہ کس خوبصورتی سے قابلؔ اجمیری نے غمِ دوراں کی تلخی کو رُخِ محبوب کی ملاحت کو دنیا میں جنت بنا ڈالا:

غمِ دوراں کی تلخی بھی جنوں میں
ترے رُخ کی ملاحت ہو گئی ہے
خبر کر دو اسیرانِ فلک کو
مری دنیا بھی جنت ہو گئی ہے

کلام میں دو ایسے الفاظ جمع کرنا جو معنوی لحاظ سے ایک دوسرے کے متضاد ہوں، صنعتِ تضاد کہلاتا ہے۔ قابلؔ اجمیری کے ہاں یہ صنعت بھی موجود ہے اُنھوں نے صنعتِ تضاد سے خوبصورت اشعار تخلیق کیے:

جنم جنم کے اندھیروں کو دے رہا ہے شکست
وہ اک چراغ کہ اپنے لہو سے روشن ہے

قابلؔ اجمیری کے ہاں صنعت تلمیح کا استعمال بھی عمدہ طریقے سے ہوا ہے۔ تلمیح کسی مشہور واقعے، شخص، چیز یا قرآنی آیت کی طرف اشارے کو کہتے ہیں۔ درج ذیل شعر میں یہ صنعت کس عمدگی سے بیان کی گئی ہے۔:

کم سے کم جرأتِ دیدار تو آ ہی جاتی
کاش موسیٰ تری تصویر کو دیکھا کرتے

قابلؔ اجمیری غزل کے ایک پختہ کار شاعر تھے۔ اُنھوں نے اجمیر کے علمی و ادبی ماحول سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا معنیؔ کے کتب خانے سے استفادہ کیا اور جگرؔ جیسے اساتذہ کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ اپنی خودداری پر آنچ نہ آنے دی، بیماری کا جواں مردی سے مقابلہ کیا اور اپنے غم سے شعر کشید کیے۔ ان کے شعر زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ ایک طویل عرصہ موت

www.urduchannel.in

سے نبرد آزما رہنے کے بعد جسمانی طور پر اگلے جہاں کو سدھار گئے مگر ان کی غزل آج بھی زندہ ہے اور ان کی غزل کل بھی زندہ رہے گی۔

www.urduchannel.in

باب ۔(۶)

قابلؔ اور دیگر اصنافِ سخن

قابلؔ اور دیگر اصنافِ سخن

قابلؔ اجمیری بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن اُنھوں نے غزل کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی۔ دیگر اصنافِ سخن میں بھی قابلؔ اجمیری کی فنی مہارت قابلِ رشک ہے۔ اُنھوں نے غزل کے علاوہ درج ذیل اصناف میں شعر گوئی کی:

ا۔نعت،سلام و منقبت

قابلؔ اجمیری نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ ایک مذہبی ماحول تھا۔ درگاہ شریف پر قوال حضرات اکثر سلام و منقبت ساز و آواز کے ساتھ پیش کرتے۔ شعرا بھی سلام، نعت اور منقبت میں طبع آزمائی کرتے۔ دیگر شعرا کی طرح قابلؔ نے بھی اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگ لیا اور شروع میں خواجہ اجمیر کی شان میں کچھ منقبت لکھیں۔ یہ منقبتیں اور گیت ''نذرِ خواجہ'' کے نام سے ایک کتابچے کی صورت میں شائع بھی ہوئیں۔ یہ کتابچہ ایم اے مکیش ارامانی اور قابلؔ اجمیری کی مشترکہ پیش کش تھی۔

آج کی طرح اس دور میں بھی میلاد خوانی عام تھی۔ خاص مواقع پر میلاد خوانی کا اہتمام ہوتا اور ہر میلاد خواں پارٹی سے کوئی نہ کوئی شاعر منسلک ہوتا جو میلاد خواں پارٹی کی یومیہ آمدنی کے ایک تہائی حصے کا حقدار ہوتا۔ قابلؔ اجمیری، دائم حسین کی پارٹی سے منسلک تھے۔ دائم حسین موسیقار تھے اور قیامِ پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے وابستہ رہے۔ اُنھوں نے قابلؔ

www.urduchannel.in

اجمیری کی غیر مطبوعہ نعتیں اور سلام قابلؔ اجمیری کے مقالہ نگار سید محمد تسلیم کو فراہم کیے۔ سید محمد تسلیم لکھتے ہیں:

''قابلؔ صاحب کا غیر مطبوعہ سلام جو دائم صاحب کی وساطت سے موصول ہوا ہے، من و عن نقل کیا جاتا ہے''۔(۱)

(قابلؔ اجمیری کے اس غیر مطبوعہ سلام کا صرف ایک بند یہاں نقل کیا جا رہا ہے)

شمعِ بزمِ رسولاں کو میرا سلام
ہادیٔ دین و ایماں کو میرا سلام
جس کی آنکھوں میں رقصاں ہیں کوثر کے جام
سنگریزے ہوئے جس سے محوِ کلام
اس شناسائے یزداں کو میرا سلام
ہادیِ دین و ایماں کو میرا سلام

قابلؔ اجمیری نے اسی زمیں میں ایک منقبت بھی لکھی جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

شاہِ اقلیمِ عرفاں کو میرا سلام
مشعلِ راہِ ایماں کو میرا سلام
ذات سے جس کی اجمیر عالی مقام
بادۂ چشت سے جس کا لبریز جام
جس کو حاصل سرورِ حقیقت مدام
شاہِ اقلیمِ عرفاں کو میرا سلام

قابلؔ اجمیری نے حضرت امام حسینؓ کی بارگاہ میں بھی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

www.urduchannel.in

جب آئے اسیرِ جبر یزیدی کوفے کے بازاروں میں
تھی رحمت یزداں نغمہ بہ لب زنجیروں کی جھنکاروں میں
معصوم علی اصغر کا گلا جس تیر کی زد میں آ کے رہا
وہ تیر نہیں پیغامِ رضا تھا ظالم کے سوفاروں میں
قابلؔ کی زباں اب کیسے کہے بے حالیِ اہلِ بیت کا حال
لے دے کے فقط اک عابد تھے اور وہ بھی تھے بیماروں میں

۲۔نظم نگاری

قابلؔ اجمیری نے کافی تعداد میں نظمیں بھی لکھی ہیں جو ان کے مجموعہ ہائے کلام میں موجود ہیں۔ان میں زیادہ تر نظمیں رجائیہ لہجے میں ہیں اور کسی نہ کسی خاص موقع پر لکھی گئی ہیں۔مثلاً نظم ''نقشِ حیات'' ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تناظر میں یوم حریت پر لکھی گئی۔نظم ''۱۴،اگست'' ریڈیو پاکستان حیدر آباد کے یوم آزادی کے مشاعرے کے لیے ۱۹۵۹ء میں لکھی گئی۔نظم ''عید کے دن'' بھی خصوصی موقع کے لیے لکھی گئی۔ایک غیر مطبوعہ نظم ڈاکٹر ہائمن کے نام ہے جو ہومیو پیتھی کانفرنس کے لئے ۱۹۵۷ء میں لکھی گئی۔

قابلؔ اجمیری کے پہلے مجموعے ''دیدۂ بیدار'' میں صرف چھ (۶) نظمیں شامل تھیں مگر بعدازاں کلیات میں ''باقیاتِ قابلؔ'' کے عنوان کے تحت اٹھارہ (۱۸) مزید نظمیں شامل کی گئیں۔نمونے کے طور پر آپ کی ایک نظم درج کی جاتی ہے:

اقبالؔ

وہ دیدہ ور کہ جس نے تجلّی نکھار دی
ذروں کو آفتابِ درخشاں بنا گیا

www.urduchannel.in

وہ چارہ ساز جس نے کیے تجرباتِ نو
ہر درد کو ضمانتِ درماں بنا گیا

وہ باغباں جو اپنی نسیمِ خیال سے
شامِ چمن کو صبحِ بہاراں بنا گیا

وہ دلربا کہ جس نے بدل دی سرشتِ دل
تکلیف کو نشاط کا ساماں بنا گیا

وہ فلسفی جو اپنی خودی کی تلاش میں
اربابِ دل کو محرمِ یزداں بنا گیا

وہ مردِ حق پرست مٹا کر جو تفرقے
اسلامیوں کو صرف مسلماں بنا گیا

اب کارواں کی بانگِ درا پر نظر نہیں
سب کچھ ہے اس کی قوم مسلماں مگر نہیں

۳۔قطعات ورباعیات

اردو میں قطعہ نگاری فارسی سے آئی۔میؔر وسوؔدا نے باقاعدہ قطعہ نگاری کی۔قطعات بعض اوقات غزل کا حصہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات الگ صنف کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔قابلؔ اجمیری نے

www.urduchannel.in

بھی قطعہ نگاری کی کیونکہ اجمیر میں یہ عام چلن تھا کہ غزل سے پہلے سامعین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے قطعہ یا رباعی سنائی جاتی تھی۔ قابلؔ اجمیری کے قطعات میں بھی وہی رنگ نمایاں ہے جو ان کی غزل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ''کلیات قابل'' میں صرف پانچ قطعات شامل ہیں تاہم ان کے کچھ غیر مطبوعہ قطعات بھی ہیں، ملاحظہ ہوں:

جب چمن میں کوئی کلی چٹکی
ایک رنگیں پیام یاد آیا
سینکڑوں ساز چھڑ گئے دل میں
تیرا طرزِ کلام یاد آیا

☆☆☆

حسرتوں کے چراغ روشن ہیں
زندگی کی امنگ باقی ہے
ہم جئے جائیں گے یونہی جب تک
تیرے عارض میں رنگ باقی ہے

☆☆☆

چاند تاروں کے ساتھ رقص کروں
ایک لبریز جام بن جاؤں
اپنی محفل میں گر بلائیں آپ
زندگی کا خرام بن جاؤں

☆☆☆

قصر شاہی میں جو مقیّد ہیں
ان بہاروں پہ رحم آتا ہے

www.urduchannel.in

کتنے پابند کس قدر محتاط
تاجداروں پہ رحم آتا ہے

☆☆☆

اشک کے قافلے نہیں رکتے
زندگی کروٹیں بدلتی ہے
آج بھی اک امیدِ یخ بستہ
چاندنی رات میں پگھلتی ہے

اردو میں قطعہ نگاری کی طرح رباعی کی صنف بھی فارسی سے آئی۔ یہ فنی لحاظ سے ایک مشکل صنف ہے۔ ''کلیات قابل'' میں چھ(٦) رباعیاں موجود ہیں۔ مجھے قابلؔ اجمیری کے بیٹے ظفر قابلؔ سے قابلؔ اجمیری کے ہاتھ کا لکھا جو مسودہ ملا ہے اس میں سات رباعیاں موجود ہیں۔ رباعیات والے صفحے کے آخر پر ٢٢، اپریل ١٩٤٨ء کی تاریخ اور مقام حیدرآباد درج ہے۔ ان سات(٧) رباعیوں میں سے چھ رباعیات پر درست کا نشان ہے اور یہ ''کلیات قابلؔ'' میں موجود ہیں مگر ایک رباعی پر غلط(x) کا نشان ہے اور یہ کلیات میں شامل نہیں۔(قابلؔ نے اس پر غلط(x) کا نشان غالباً اس لیے لگایا کہ یہ رباعی نہیں، قطعہ ہے)

۴۔گیت نگاری

اردو شاعری میں گیت نگاری ایک معروف صنف ہے اور اسے تمام شعرا نے اپنایا۔امیر خسرو سے شروع ہونے والی گیت کی روایت آج بھی اردو شاعری میں موجود ہے۔قابلؔ اجمیری کے کلام میں ہمیں تین(٣) گیت ملتے ہیں لیکن دراصل اُنھوں نے کئی گیت لکھے مگر وہ دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئے۔

www.urduchannel.in

اجمیر میں گیت نگاری ایک معروف صنف رہی ہے۔ درگاہ معلیٰ میں مختلف پارٹیاں حاضر ہوکر گیتوں میں مختلف خیال پیش کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ اجمیر شریف میں جمعہ خان کی تھیٹر کمپنی بھی گیتوں کو موسیقی کے ڈھانچے میں ڈھال کر پیش کرتی تھی۔ سید محمد تسلیم لکھتے ہیں:

''قابلؔ صاحب کا ایک گیت جو راگ ملہار اور تال دادرا میں ڈھالا گیا، اجمیر کے مشہور تھیٹریکل ادا کار جناب مہتاب خاں سے دستیاب ہوا ہے''۔(۲)

قابلؔ اجمیری کا ایک اور غیر مطبوعہ گیت بھی ملتا ہے۔ یہ گیت ہولی کے تہوار کے موقع پر لکھا گیا جس کے بول یوں ہیں:

آج ہولی ہے سجنی آؤ مل جل کے سب رنگ کھیلیں

گورنمنٹ کالج اجمیر میں ہولی اور دیوالی کے موقعوں پر اکثر مسلمان نوجوان گیت لکھتے تھے اور ان گیتوں کو کالج میگزین میں شائع کیا جاتا تھا۔ قابلؔ صاحب بھی اس موقع پر گیت لکھتے تھے۔ ان کا ایسا ہی ایک گیت ملتا ہے جو خالص ادبی رنگ لیے ہوئے ہے اور یہ گورنمنٹ کالج اجمیر کے میگزین میں شائع ہوا تھا۔ اس گیت کے بول کچھ اس طرح ہیں:

دل ہے میرا تاج محل
کتنا سلونا کتنا سجل
نینوں کی برسات یہاں
رین بھی ہے پربھات یہاں
جیت یہاں ہے مات یہاں

www.urduchannel.in

باب ۔(۷)

ادبی مقام اور مشاہیر کی آرا

ادبی مقام اور مشاہیر کی آرا

کسی بھی تخلیق کار کی تخلیقات کا جائزہ لینے یا اس کے ادبی مقام کا تعیّن کرنے کے لیے ان تمام عوامل کا جائزہ لینا ضروری ہے جن کے سائے میں اس کے فن پاروں نے پرورش پائی ہو۔قابلؔ اجمیری نے اجمیر شریف کے علمی وادبی ماحول میں آنکھ کھولی۔قابلؔ اجمیری کو یہاں عبدالرحمٰن عرب، ارمان اجمیری اور مولانا معنیؔ کی صحبت میسر آئی۔ذکی بازار اجمیر کے اسلامیہ ہوٹل اور درگاہ بازار کے مختلف چائے خانوں میں بیٹھنے والے اہلِ قلم نے قابلؔ اجمیری کی رہنمائی کی اور یوں وہ وادیِ شعروسخن میں وارد ہوئے۔

قابلؔ اجمیری کی یتیمی،غربت اور ناکامیِ عشق نے ان کی شاعری پر مہمیز کا کام کیا۔تاہم قابلؔ اجمیری نے وقت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ وہ وقت کو للکارتے رہے۔حالات قدم قدم پر ان کے لئے رکاوٹ بنتے رہے مگر وہ ہمیشہ ان نامساعد حالات سے لڑکر راستہ بناتے رہے۔وہ مفلسی میں بھی بلند حوصلہ رہے اور اس طرح وہ ناکام عاشق ساغرؔ صدیقی نہیں بن گئے اور اپنی ذہنی سطح بھی ہمیشہ بلند رکھی۔

قابلؔ اجمیری نے اپنی زندگی میں ہی شہرت حاصل کر لی تھی مگر جس ادبی مقام کے وہ مستحق تھے ان کی زندگی میں انھیں میسر نہ آیا۔لیکن وقت نے ثابت کیا کہ وہ ایک عظیم غزل گو تھے اور ایک عظیم فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک مخلص دوست، باوفا شوہر اور شفیق باپ بھی تھے۔ان کے بارے میں ان کے ہم عصر کیا رائے رکھتے تھے،آیئے جاننے کی کوشش کرتے

www.urduchannel.in

ہیں۔جگرمرادآبادی ایک بلند مرتبہ شاعر تھے۔قابلؔ اجمیری کی زندگی میں جب قابلؔ کا مختصر مجموعہ کلام''قابلؔ کے سوشعر'' شائع ہوا تو جگرمرادآبادی نے اس پر اپنی رائے کا یوں اظہار کیا:

''قابلؔ پختہ مشق شاعر ہیں، وہ غزل کے مزاج کو سمجھتے ہیں اور اس کو برتنے کے آداب سے وہ پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں۔انھیں غزل کو غزل بنانے کا گُر خوب آتا ہے اس لیے ان کے ہاں ہر موضوع غزل کا موضوع معلوم ہوتا ہے۔ان کے کلام سے ان کی انفرادیت نمایاں ہے اور یہی بنیادی خصوصیت شاعر کے لیے اہم اور اہم تر ہے۔میں نے جب پہلی بار ان کا کلام ان ہی کی زبانی سنا تو حقیقتاً بہت متاثر ہوا۔ خیالات اور جذبات کے ساتھ ساتھ اسلوبِ بیان بھی شگفتہ و پاکیزہ اور تغزل کا حامل ہے''(۱)

قابلؔ اجمیری نے اپنے فن سے عشق کیا اور بڑے بڑوں کو اپنی شاعری کے متعلق لکھنے پر مجبور کیا۔ڈاکٹر عبادت بریلوی جیسی نابغہ روزگار شخصیت نے قابل اجمیری کی شاعری پر اظہار خیال فرماتے ہوئے لکھا:

''قابل کی غزلوں کے موضوعات محدود نہیں۔ان کے ہاں موضوعات کے تنوع کا احساس قدم قدم پر ہوتا ہے۔عشق ان کی شاعری کا اہم موضوع ضرور ہے لیکن چونکہ وہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے الگ نہیں ہے اس لیے عشقیہ موضوعات بھی ان کے ہاں خاصے پہلودار متنوع کیفیت کے حامل نظر آتے ہیں۔لیکن ان کی غزلوں میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔زندگی کے عام سیاسی اور سماجی حالات کی ترجمانی وہ بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ قابل صاحب پر اپنے زمانے کے حالات کا گہرا اثر ہے''(۲)

قابلؔ اجمیری الفاظ کا تخلیقی استعمال جانتے تھے اور اُنھوں نے اپنے اس ہنر کو جا بجا استعمال بھی کیا۔ قابل اجمیری کی شاعری کے متعلق ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''قابل اجمیری کی طبیعت کو غزل سے خاص مناسبت ہے۔ وہ غزل کے مزاجِ خاص اور اس کے شعور کو سلیقے سے برتنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شاعری خصوصاً غزل میں ذریعہ اظہار و ابلاغ کی اہمیت و نوعیت سے وہ بہرہ مند ہیں۔''(۳)

غزل اردو شاعری کی آبرو ہے اور سب سے بڑی صنف سخن مانی جاتی ہے۔ قابلؔ اجمیری خالصتاً غزل کے شاعر تھے۔ ان کے بارے میں جناب شاہد احمد دہلوی لکھتے ہیں:

''خوش نصیب ہیں وہ شاعر جن کی کچھ غزلیں زندہ رہتی ہیں۔ انھی خوش نصیبوں میں جن کی غزلیں دست بردِ زمانہ سے بچ رہی ہیں، قابلؔ اجمیری بھی ہیں۔ وہ واقعی ایک جوہرِ قابل تھے۔ ان کا کلام زندہ و تابندہ ہے اور ان کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھے گا۔''(۴)

قابلؔ اجمیری کا کلیات ۱۹۹۲ء میں جناب جاوید طفیل نے نقوش پریس لاہور سے شائع کیا۔ اس کلیات کا دیباچہ ''ابتدائیہ'' کے نام سے جناب شہزاد احمد نے لکھا تھا۔ قابل اجمیری کی شاعری کے متعلق شہزاد احمد لکھتے ہیں:

''قابل نے اپنے پیچھے جو شعری ترکہ چھوڑا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود اتنا مختصر بھی نہیں کہ اس سے قابلؔ اجمیری کے جوہر کا اندازہ نہ ہو سکے۔ وہ ہر لحاظ سے اپنے عہد کے نمائندہ شاعر تھے۔ ان کے کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک شاعر کو دیر تک زندہ رکھ سکتی ہیں''۔(۵)

www.urduchannel.in

قابلؔ اجمیری کے تمام ہم عصر اوران کے بعد میں آنے والے شعرا قابل اجمیری کے شعری کمال کے معترف تھے۔سحر انصاری لکھتے ہیں:

''قابل اجمیری اردو کے جدید غزل گوشعرا میں جو ہر قابل کی حیثیت رکھتے ہیں۔غزل کی اس قدر طویل اور عظیم روایت میں شامل ہوکر اپنا ایک انفرادی رنگِ سخن پیدا کر لینا شاید ہر غزل گو کے بس کی بات نہیں۔اسی لئے غزل گوشعراء کی اتنی کثیر تعداد کے باوجود چند ایک ہی ایسے ہیں جن کی انفرادیت اورلب ولہجہ کومختلف اور سب سے الگ کہا جا سکتا ہے۔''(۶)

قابلؔ اجمیری کی شعری دنیا سب سے منفرد تھی۔اس کے متعلق معروف دانشور حضور احمد سلیم لکھتے ہیں:

''قابلؔ کے کلام میں ایسے شواہد بہت ملیں گے جس میں زمانے کی تلخیوں اور حوادثِ روزگار کا ذکر ہے مگر پیرایۂ بیان میں کہیں ناسپاسی کا احساس یا افسردگی اور ملال کا شائبہ نہیں ملتا۔وہ اپنی کیفیتِ احوال زیادہ سے زیادہ مؤثر انداز میں کرتا ہے،نہ اس میں مایوسی ہوتی ہے اور نہ ہی قنوطیت۔''(۷)

قابلؔ اجمیری کا جسم ناتواں تھا اور جان کمزور مگر ذہن توانا تھا اور دل مضبوط۔انوار احمد زئی نے''دیدۂ بیدار''۱۹۸۶ء(دوسری اشاعت) کا دیباچہ لکھا۔وہ قابل اجمیری کی شاعری کے متعلق کچھ یوں رقم طراز ہوئے:

''قابلؔ اجمیری کے تجربے سچے تھے اور اس کے پاس ان تجربوں کو ذخیرہ کرنے اور وقت آنے پر شعری سانچے میں منتقل کرنے کی حِس موجود تھی جو اس کے مقابل لفظوں کے کاسہ لیسوں اور مضامین کے بخیہ گروں سے ہمیشہ متصادم رہتی تھی۔اس تصادم میں اس کی شاعری جوان ہوتی گئی اور وہ بوڑھا۔''(۸)

www.urduchannel.in

قابل اجمیری غزل کے شاعر تھے اور غزل کے مزاج سے بھی خوب واقفیت رکھتے تھے۔ قابل اجمیری کی شاعری کے متعلق محسن بھوپالی کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''قابلؔ نے بمشکل پندرہ سولہ برس کی شعری عمر پائی لیکن اس مختصر سے عرصے میں اُنھوں نے اردو غزل کے سرمائے میں جو اضافہ کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ ان کے بیسیوں اشعار ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ وہ ہمارے عہد کے چند منفرد اور ممتاز غزل گو شعرا میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں''۔(۹)

۵۰ کی دہائی میں جو غزل گو اپنی انفرادیت کے ساتھ سامنے آئے ان میں قابلؔ اجمیری سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ قابل اجمیری کی غزل کے متعلق بینش سلیمی کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو:

''قابلؔ کے ہاں غزل میں وہ بات پیدا ہو چکی تھی جو ان کے ہم عصروں میں اُنھیں منفرد اور ممتاز بنانے والی تھی۔ قابلؔ ادب و شعر کی کسی خاص تحریک سے وابستہ نہیں تھے۔ وہ اشترکیت سے متاثر تھے اور نہ فرائڈ سے۔ انھیں کلاسیکی غزل سے عشق کی حد تک وابستگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں حالیؔ اور فانیؔ کا رنگ بھی ملتا ہے اور فراقؔ اور فیضؔ کا بھی''۔(۱۰)

www.urduchannel.in

انتخابِ کلام

www.urduchannel.in

○

دن پریشان ہے رات بھاری ہے
زندگی ہے کہ پھر بھی پیاری ہے

تیرے مستوں کی زندگی اے دوست
اک سرورِ خوش اعتباری ہے

دل کی دھڑکن کا اعتبار نہیں
ورنہ آواز تو تمہاری ہے

بے نیازی کو اپنی خُو نہ بنا
یہ ادا بھی کِسی کو پیاری ہے

لطفِ صبحِ نِشاط مجھ سے پُوچھ
میں نے شامِ الم گزاری ہے

اپنے لب ہی نہیں سیے ہم نے
آپ کی زُلف بھی سنواری ہے

کتنی شمعیں بجھا کے اے قابلؔ
دل میں اک روشنی اُتاری ہے

○

عشق میں تازگی ہی رہتی ہے
وہ نظر چھیڑتی ہی رہتی ہے

آگ دل میں لگی ہی رہتی ہے
آنسوؤں کی کمی ہی رہتی ہے

میری راتیں اُجڑ گئیں اے دوست
اب یہاں روشنی ہی رہتی ہے

جانے کیا ہو پلک جھپکنے میں
زندگی جاگتی ہی رہتی ہے

ہجر کی رات ہو کہ صبحِ نشاط
زندگی زندگی ہی رہتی ہے

دردِ خود آگہی نہ ہو جب تک
کائنات اجنبی ہی رہتی ہے

کچھ نئی بات تو نہیں قابلؔ
ہجر میں بے کلی ہی رہتی ہے

www.urduchannel.in

○

محبت داستاں ہو جائے گی کیا
خلش بڑھ کر فغاں ہو جائے گی کیا

مبارک عشرتِ دیدار لیکن
ہوس بھی شادماں ہو جائے گی کیا

ستارے مانند پڑتے ہی نہیں آج
شبِ غم جاوداں ہو جائے گی کیا

نہیں اب تیرے ملنے کا گماں بھی
قیامت نا گہاں ہو جائے گی کیا

نگاہِ یار برہم ہوتے ہوتے
مزاجِ گلستاں ہو جائے گی کیا

مسافر گم سہی تاریکیوں میں
سحر بھی بے نشاں ہو جائے گی کیا

اُڑا جاتا ہے قابل ذرّہ ذرّہ
زمیں بھی آسماں ہو جائے گی کیا

www.urduchannel.in

○

خیالِ سود نہ اندیشۂ زیاں ہے ابھی
چلے چلو کہ مذاقِ سفر جواں ہے ابھی

ہمارے نقشِ قدم سے چمک اُٹھے شاید
فضائے منزلِ جاناں دھواں دھواں ہے ابھی

نئے نئے ہیں عزائم نئی نئی ہے تلاش
جمالِ دوست سے دل مطمئن کہاں ہے ابھی

رُکا رُکا سا تبسّم جھُکی جھُکی سی نظر
تمہیں سلیقۂ بیگانگی کہاں ہے ابھی

ہمارے کام نہ آئی متاعِ دیدۂ دل
نگارِ صبح کا جلوہ بہت گراں ہے ابھی

رُخِ حیات کی افسردگی نہیں جاتی
نہ جانے کونسا غم نشنۂ بیاں ہے ابھی

سکونِ دل کی تمنّا سے فائدہ قابلؔ
نفس نفس غمِ جاناں کی داستاں ہے ابھی

○

نئے چراغ لئے شامِ بیکسی آئی
کہ دل بجھا تو ستاروں میں روشنی آئی

جنونِ شوق نے پہنچا دیا کہاں مجھ کو
نگاہِ دوست بھی اکثر تھکی تھکی آئی

ہمارے پاس کہاں آنسوؤں کی سوغاتیں
کسی کو اپنا بنا کے بڑی ہنسی آئی

جہانِ دار و رسن ہو کہ بزمِ شعر و شراب
ہمارے سامنے اپنی ہی زندگی آئی

تمہاری یاد کو آرامِ جاں بنایا تھا
تمہاری یاد بھی لیکن کبھی کبھی آئی

مِرے خلوص کا عالم نہ پوچھئے قابلؔ
شکستِ جام سے آوازِ زندگی آئی

www.urduchannel.in

○

صراحی کا بھرم کھلتا نہ میری تشنگی ہوتی
ذرا تم نے نگاہِ ناز کو تکلیف دی ہوتی

جہاں بدلا مگر آدابِ میخانہ نہیں بدلے
کبھی اے گردشِ دوراں ادھر بھی آ گئی ہوتی

رہِ ہستی کے ہر منظر پہ رکتی ہے نظر اپنی
وہ مل جاتے تو کیا دُنیا میں ایسی دلکشی ہوتی

مقامِ عاشقی دُنیا نے سمجھا ہی نہیں ورنہ
جہاں تک تیرا غم ہوتا وہیں تک زندگی ہوتی

بھڑک اٹھی ہیں شاخیں پھول شعلے بنتے جاتے ہیں
ہمارے آشیانوں سے کہاں تک روشنی ہوتی

مری وحشت کا اندازہ تو ہو جاتا زمانے کو
جبینِ زندگی پر اک شکن ہی آ گئی ہوتی

تمہاری آرزو کیوں دل کے ویرانے میں آ پہنچی
بہاروں میں پلی ہوتی ستاروں میں رہی ہوتی

www.urduchannel.in

زمانے کی شکایت کیا زمانہ کس کی سنتا ہے
مگر تم نے تو آوازِ جنوں پہچان لی ہوتی

ہمارا ہی شعورِ بیکسی تھا درمیاں ورنہ
تری شانِ تغافل کی حقیقت کھل گئی ہوتی

رضائے دوست قابل میرا معیارِ محبت ہے
انہیں بھی بھول سکتا تھا اگر ان کی خوشی ہوتی

www.urduchannel.in

○

کیسی رندوں کی طبیعت کیسا پیمانوں کا رُخ
گردشِ دوراں بدل دیتی ہے میخانوں کا رُخ

ہم نے گلزاروں میں بھی دیکھی ہے خاک اُڑتی ہوئی
ایک ہی جانب نہیں رہتا بیابانوں کا رُخ

عاشقوں کے جمگھٹے ہیں تیری بزمِ ناز تک
شمع بجھتے ہی بدل جاتا ہے پروانوں کا رُخ

سُوکھتی جاتی ہیں آنکھیں ڈوبتے جاتے ہیں دل
تیری محفل میں بدل جاتا ہے طوفانوں کا رُخ

زندگی بڑھتی ہے آگے ان کے تیور دیکھ کر
وقت بھی پہچانتا ہے تیرے دیوانوں کا رُخ

آج بھی وہ غرقِ مستی آج بھی ہم تشنہ کام
میکدہ بدلا مگر بدلا نہ پیمانوں کا رُخ

قابلؔ ان کی بے نیازی کا کرشمہ دیکھئے
اپنی جانب ہوگیا ہے سارے افسانوں کا رُخ

www.urduchannel.in

○

تم نہ مانو مگر حقیقت ہے
عشق انسان کی ضرورت ہے

کچھ تو دل مبتلائے وحشت ہے
کچھ تیری یاد بھی قیامت ہے

میرے محبوب مجھ سے جھوٹ نہ بول
جھوٹ صورتِ گرِ صداقت ہے

جی رہا ہوں اس اعتماد کے ساتھ
زندگی کو مری ضرورت ہے

حُسن ہی حُسن جلوے ہی جلوے
صرف احساس کی ضرورت ہے

اس کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

راستہ کٹ ہی جائے گا قابلؔ
شوقِ منزل اگر سلامت ہے

○

وہ خیالوں میں کہیں شعلہ کہیں شبنم رہے
ایک اندازِ کرم کے مختلف عالم رہے

بات بھی تشنہ رہی الفاظ بھی مبہم رہے
عہد و پیمانِ نظر لیکن بڑے محکم رہے

ربطِ خاطر کی نزاکت کو سمجھ سکتا ہے کون
آرزو کی آپ نے محوِ تجسس ہم رہے

جلوہ گاہِ یار سے بھی تشنہ کام آئے ہیں لوگ
جانے امیدیں زیادہ ہیں کہ جلوے کم رہے

آؤ اپنے عارضِ روشن کا پرتو ڈال دو
میری راتوں کو ستاروں کے اُجالے کم رہے

قابلؔ اپنا دردِ محرومی سمجھ سکتا ہے کون
عمر بھر طوفاں سے کھیلے تشنۂ شبنم رہے

www.urduchannel.in

○

شوقِ بے انتہا نہ دے جانا
بندگی کو خُدا نہ دے جانا

ضبطِ غم کا صِلہ نہ دے جانا
زندگی کی دعا نہ دے جانا

رات تاریک راہ ناہموار
شمعِ غم کو ہوا نہ دے جانا

دلِ بے تاب کا بھروسہ کیا
مجھ کو آہِ رسا نہ دے جانا

بیکسی سے بڑی اُمیدیں ہیں
تم کوئی آسرا نہ دے جانا

میرے شوقِ طلب کی بات ہے اور
تم طلب سے سِوا نہ دے جانا

کوئی احسان کر کے قابل پر
دوستی کی سزا نہ دے جانا

www.urduchannel.in

○

محبت کی غزل پر زندگانی رقص کرتی ہے
تمنا جھوم اُٹھتی ہے جوانی رقص کرتی ہے

وہی اندازِ گویائی وہی احساسِ رُسوائی
تری نظروں میں میری بے زبانی رقص کرتی ہے

کبھی تم نے بھی آوازِ شکستِ دل سُنی ہوتی
یہ وہ نغمہ ہے جس پر زندگانی رقص کرتی ہے

بڑے رنگین عالم ہیں تری سادہ نگاہی میں
تغافل جھومتا ہے مہربانی رقص کرتی ہے

سحر ہونے کو ہے لیکن ابھی ہم تک نہیں پہنچا
یہ ساغر ہے کہ اپنی ناتوانی رقص کرتی ہے

تری آنکھوں میں شامِ مکیدہ لیتی ہے انگڑائی
ترے ہونٹوں پہ صبحِ شادمانی رقص کرتی ہے

گذاری نزع کے عالم میں تو نے عمر اے قابلؔ
ترے شعروں میں لیکن زندگانی رقص کرتی ہے

○

لی روح نے انگڑائی دل وجد میں آیا ہے
اکثر تری نظروں نے وہ گیت سنایا ہے

شاید کسی آنسو سے زنداں بھی چمک اُٹھے
گلشن کے چراغوں کو شبنم نے جلایا ہے

اربابِ محبت کو دنیا کے تغافل سے
تسکین ہی پہنچی ہے آرام ہی آیا ہے

اے گردشِ دوراں آ تجھ کو بھی اماں بخشیں
ہم نے غمِ جاناں کو سینے سے لگایا ہے

آنکھوں میں فقط آنسو ہونٹوں پہ فقط آہیں
اندازِ جنوں دل کو اب تک نہیں آیا ہے

اے کاش زمانے کی رفتار بدل سکتی
تُو صبح کا پرتَو ہے دل شام کا سایہ ہے

اک جھومتے بادل نے چپکے سے کہا قابلؔ
ہنگامِ گُل آیا ہے ساقی نے بُلایا ہے

www.urduchannel.in

○

زندگانی کا اعتبار نہ تھا
جن دنوں تیرا انتظار نہ تھا

عشق اتنا گناہ گار نہ تھا
جب ہمیں دل پہ اختیار نہ تھا

ہائے وہ حوصلے محبت کے
دل تجھے کھو کے بے قرار نہ تھا

اپنے گلشن میں جب بہار آئی
کوئی شائستۂ بہار نہ تھا

محفلِ شعر پیاسی پیاسی تھی
جب تری آنکھ میں خمار نہ تھا

کٹ گئے ہجر کے پہاڑ سے دن
وقت کو تیرا انتظار نہ تھا

اور دیوانہ ہو گیا قابلؔ
درخورِ التفاتِ یار نہ تھا

www.urduchannel.in

○

برہم ہے کائنات مگر جی رہے ہیں ہم
مشکل سہی حیات مگر جی رہے ہیں ہم

شمعیں بُجھی بُجھی سی ستارے اُداس اُداس
دم توڑتی ہے رات مگر جی رہے ہیں ہم

جیسے اجل بھی روٹھ گئی ہے ترے بغیر
ٹھکرا گئی حیات مگر جی رہے ہیں ہم

ہمسائگیِ کاکل و رخسار چھن گئی
دن اپنا ہے نہ رات مگر جی رہے ہیں ہم

آہی گیا جہانِ حوادث بھی ساز گار
ہر شے ہے بے ثبات مگر جی رہے ہیں

قابلِ کشاکشِ سحر و شام کی قسم
مرنے میں ہے نجات مگر جی رہے ہیں ہم

www.urduchannel.in

○

جب گلوں کو صبا جگاتی ہے
غم نصیبوں کو نیند آتی ہے

برہمی ہو کہ التفات اے دوست
تیری ہر بات یاد آتی ہے

وقت کے زخم سِل بھی جاتے ہیں
عمر رفتہ پلٹ بھی آتی ہے

دن نکلتا ہے کِس تمنا میں
رات کِس آسرے پہ آتی ہے

جب وہ گیسو بکھیر دیتے ہیں
زندگی راہ بھول جاتی ہے

مجھ کو تلقینِ صبر فرما کر
کیوں تری آنکھ بھیگ جاتی ہے

ہجر کی رات میں بھی اے قابلؔ
شمعِ اُمید جھلملاتی ہے

○

آج دل بے قرار سا کیوں ہے
تیرا غم ہے تو بار سا کیوں ہے

موت دشوار ہو گئی شاید
زیست پر اختیار سا کیوں ہے

کوئی وعدہ نہیں امید نہیں
پھر مجھے انتظار سا کیوں ہے

سُن رہا ہوں پیامِ صبح مگر
ہر طرف یہ غبار سا کیوں ہے

ان کے وعدے غلط سہی لیکن
عشق کو اعتبار سا کیوں ہے

کارواں تو گذر گیا ہوگا
راستے میں غبار سا کیوں ہے

ہم محبت میں مٹ گئے قابلؔ
اب کوئی غمگسار سا کیوں ہے

www.urduchannel.in

○

کیا ہوا ہے کہ ترے عشق کا سودا بھی نہیں
زندہ رہنے کے لیے کوئی تمنا بھی نہیں

وقفِ بیداد رہے اور شکایت نہ کرے
عشق پابندِ وفا ہے مگر ایسا بھی نہیں

حیرتیں کہتی ہیں وہ آ کے گئے بھی کب کے
ذوقِ نظارہ پشیماں ہے کہ دیکھا بھی نہیں

تم نے پیمانِ محبت تو کیا تھا لیکن
اب تمھیں یاد نہیں تو مجھے شکوہ بھی نہیں

کس کڑے وقت میں بدلی ہیں نگاہیں تم نے
اب مجھے حوصلۂ ترکِ تمنا بھی نہیں

آج وہ کاتبِ تقدیر بنے بیٹھے ہیں
جن کے سینے میں گدازِ غمِ فردا بھی نہیں

راہ پر خار ہے اور رات اندھیری قابلؔ
دور تک کوئی چراغِ رُخِ زیبا بھی نہیں

www.urduchannel.in

○

وہ ہر مقام سے پہلے وہ مقام کے بعد
سحر تھی شام سے پہلے سحر ہے شام کے بعد

ہر انقلاب مبارک ہر انقلاب عذاب
شکستِ جام سے پہلے شکستِ جام کے بعد

نفس نفس تھا قیامت نفس نفس ہے سکوں
غمِ تمام سے پہلے غمِ تمام کے بعد

مجھی پہ اتنی توجہ مجھی سے اتنا گریز
مرے سلام سے پہلے مرے سلام کے بعد

فضا تمام نشیمن فضا تمام قفس
خیالِ دام سے پہلے خیالِ دام کے بعد

چراغِ بزمِ ستم ہیں ہمارا حال نہ پوچھ
جلے تھے شام سے پہلے بجھے ہیں شام کے بعد

یہ رات کچھ بھی نہیں تھی یہ رات سب کچھ ہے
طلوعِ جام سے پہلے طلوعِ جام کے بعد

www.urduchannel.in

وہی زباں وہی باتیں مگر ہے کتنا فرق
تمہارے نام سے پہلے تمہارے نام کے بعد

رہِ طلب میں قدم لڑکھڑا ہی جاتے ہیں
کسی مقام سے پہلے کسی مقام کے بعد

یہ طرزِ فکر یہ رنگِ سخن کہاں قابلؔ
ترے کلام سے پہلے تیرے کلام کے بعد

○

حیرتوں کے سلسلے سوزِ نہاں تک آ گئے
ہم نظر تک چاہتے تھے تم تو جاں تک آ گئے

نامرادی اپنی قسمت گمرہی اپنا نصیب
کارواں کی خیر ہو ہم کارواں تک آ گئے

ان کی پلکوں پر ستارے اپنے ہونٹوں پر ہنسی
قصۂ غم کہتے کہتے ہم کہاں تک آ گئے

اپنی اپنی جستجو ہے اپنا اپنا شوق ہے
تم ہنسی تک بھی نہ پہنچے ہم فغاں تک آ گئے

زلف میں خوشبو نہ تھی یا رنگ عارض میں نہ تھا
آپ کس کی آرزو میں گلستاں تک آ گئے

خود تمہیں چاکِ گریباں کا شعور آ جائے گا
تم وہاں تک آ تو جاؤ ہم جہاں تک آ گئے

آج قابلؔ میکدے میں انقلاب آنے کو ہے
اہلِ دل اندیشۂ سود و زیاں تک آ گئے

○

ہم شبِ غم تری تصویر کو دیکھا کرتے
خوابِ نادیدہ کی تعبیر کو دیکھا کرتے

ہم شکستِ درِ زنداں کا اثر کیا لیتے
اپنے ہی حلقۂ زنجیر کو دیکھا کرتے

کم سے کم جرأتِ دیدار تو آ ہی جاتی
کاش موسیٰ تری تصویر کو دیکھا کرتے

کھینچ بھی لاتا اگر ذوقِ تماشا ان کو
مجھ کو کیا دیکھتے زنجیر کو دیکھا کرتے

خونِ دل بھی سرِ مژگاں نہیں آیا ورنہ
ہم اسی میں تری تصویر کو دیکھا کرتے

لطف جب تھا کہ کوئی پوچھتا دل کی حالت
اور ہم شورشِ زنجیر کو دیکھا کرتے

سایۂ زلف میں نیند آگئی ورنہ قابلؔ
عمر بھر گردشِ تقدیر کو دیکھا کرتے

www.urduchannel.in

حوالہ جات

باب اوّل

۱۔ وحیدالرحمٰن خان، قابل اجمیری شخصیت اور فن، مقالہ ایم اے اُردو (۱۹۹۲ء۔ ۱۹۹۴ء)
مملوکہ یونی ورسٹی اورنٹیل کالج لاہور، ص ۱

۲۔ ساجد امجد ڈاکٹر مضمون جوہرِ قابل مشمولہ ماہنامہ سرگزشت اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۶۶

۳۔ ہفت روزہ معین اجمیر ۶ جون ۱۹۴۷ء

۴۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو
(۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدرآباد) ص ۸

۵۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو
(۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدرآباد) ص ۱۸، ۱۹

۶۔ ماہر القادری مضمون قابل اجمیری مشمولہ ماہنامہ فاران کراچی ۱۹۶۲ء

۷۔ روزنامہ آفتاب حیدرآباد (سندھ) ۱۶ نومبر ۱۹۴۹ء

۸۔ توصیف چغتائی مضمون بیگم قابل اجمیری مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدرآباد
(سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۹۴

۹۔ توصیف چغتائی مضمون بیگم قابل اجمیری مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدرآباد
(سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۹۵

۱۰۔ قابل ظفر سے راقم کی گفتگو، بتاریخ ۸، اگست ۲۰۰۵ء

۱۱۔ محمد منیر احمد سلیچ ڈاکٹر، وفیات اہل قلم، اسلام آباد، اکادمی ادبیات ۲۰۰۸ء ص ۳۵۱

www.urduchannel.in

۱۲۔ توصیف چغتائی مضمون بیگم قابل اجمیری مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۹۶

۱۳۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو (۱۹۶۶ء۔۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدر آباد) ص ۹۳

۱۴۔ قابل ظفر سے راقم کی گفتگو، بتاریخ ۸، اگست ۲۰۰۵ء

۱۵۔ توصیف چغتائی مضمون بیگم قابل اجمیری مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۹۵

۱۶۔ خادمی اجمیری مضمون کچھ یادیں مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۱۴

۱۷۔ خادمی اجمیری مضمون کچھ یادیں مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۱۵

۱۸۔ ساجد امجد ڈاکٹر مضمون ''جوہرِ قابلؔ'' ماہنامہ سرگزشت اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۴۳

۱۹۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو (۱۹۶۶ء۔۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدر آباد) ص ۶۰

۲۰۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو (۱۹۶۶ء۔۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدر آباد) ص ۶۱

۲۱۔ ساجد امجد ڈاکٹر مضمون قضیۂ قابل مشمولہ کلیات قابلؔ ۱۹۹۴ء ص ۳۴۷

۲۲۔ نظر کامرانی ڈاکٹر مضمون قابل ایک غزل گو شاعر مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۸۱

۲۳۔ کریم الدین احمد ڈاکٹر مضمون قابل کی شعری دنیا مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۳۵

www.urduchannel.in

باب دوم

۱۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو (۱۹۶۶ء۔۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدر آباد) ص ۱۳، ۱۴

۲۔ پروفیسر ارشد رضا، تعارف، مشمولہ قابل کے سوشعر، پاسبان پرنٹنگ پریس حیدر آباد، ص ۸

۳۔ وحید الرحمٰن خان، قابل اجمیری شخصیت اور فن، مقالہ ایم اے اُردو (۱۹۹۲ء۔۱۹۹۴ء) مملوکہ یونی ورسٹی اورنٹیل کالج لاہور

۴۔ فرمان فتح پوری ڈاکٹر مضمون غزل میں تجدد کی ایک مثال مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۲۵

۵۔ کریم الدین احمد ڈاکٹر مضمون قابل کی شعری دنیا مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۲۳

باب سوم

۱۔ پروفیسر ارشد رضا، تعارف، مشمولہ قابل کے سوشعر، پاسبان پرنٹنگ پریس حیدر آباد، ص ۸

۲۔ انوار احمد زئی، دیباچہ، مشمولہ دیدۂ بیدار، ۱۹۸۶ء ثانی کیمونی کیشنز حیدر آباد

۳۔ محسن بھوپالی، دیباچہ، مشمولہ خونِ رگِ جاں، ۱۹۶۶ء حیدر آباد ص ۷

۴۔ ظفر قابل، پیش لفظ، مشمولہ کلیات قابل، ۱۹۹۴ء فرید پبلشرز کراچی

۵۔ ظفر قابل، پیش لفظ، مشمولہ کلیات قابل، ۱۹۹۴ء فرید پبلشرز کراچی

www.urduchannel.in

۶۔ ناشرین، قضیہ قابل، مشمولہ کلیات قابل، ۱۹۹۴ء فرید پبلشرز کراچی ص ۳۰۴

۷۔ محمد حسین قریشی اظہار خیال مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۳

۸۔ ثاقب رضوی ڈاکٹر، پیش لفظ، مشمولہ انتخاب کلام قابل اجمیری، ۱۹۸۹ء، راجستھان اردو اکادمی جے پور (ہندوستان)

۹۔ ایم اے میکش ارمانی، عرض حال، مشمولہ نذر خواجہ، اجمیر

باب چہارم

۱۔ ساجد امجد ڈاکٹر، قضیہ قابل، مشمولہ کلیات قابل، ۱۹۹۴ء فرید پبلشرز کراچی ص ۳۲۹

۲۔ محسن بھوپالی، چند یادیں مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۰۲

۳۔ پندرہ روزہ ''رہنما'' حیدر آباد، مورخہ ۱۷، اگست ۱۹۶۲ء

۴۔ روزنامہ ''پاسبان'' حیدر آباد مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء

باب پنجم

۱۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء سے تا حال، بک ٹاک میاں چیمبرز، ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۸

۲۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء سے تا حال، بک ٹاک میاں چیمبرز، ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۸

۳۔ خالد علوی، ڈاکٹر پاکستان میں غزل کے چند رجحانات، مشمولہ، عبارت، معاصر اردو

www.urduchannel.in

غزل، مرتبہ رئیس قمر، اکادمی دہلی، ص ۱۵۵

۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات، مشمولہ، عبارت، مرتبہ نوازش علی، ڈاکٹر ادارہ عبارت، راولپنڈی ۱۹۹۷ء، ص ۱۹

۵۔ امجد اسلام امجد، ادا جعفری، مشمولہ ماہنامہ ماہِ نو، لاہور اپریل ۲۰۱۵ء ص ۴۱

۶۔ عبادت بریلوی ڈاکٹر، جوہر قابل مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۶

۷۔ غیاث الدین قریشی قابل کے رنگ سخن کا ایک پہلو مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۵۸

باب ششم

۱۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو (۱۹۶۶ء۔۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدر آباد) ص ۲۱۲

۲۔ تسلیم سید محمد قابل اجمیری۔ حالات زندگی اور شاعری مقالہ برائے ایم اے اُردو (۱۹۶۶ء۔۱۹۶۷ء) مملوکہ جامعہ سندھ، جام شورو (حیدر آباد) ص ۲۴۰

باب ہفتم

۱۔ جگر مراد آبادی ایک تاثر مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۰۱

۲۔ عبادت بریلوی ڈاکٹر جوہر قابل مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدر آباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۲۱

www.urduchannel.in

۳۔ فرمان فتح پوری ڈاکٹر غزل میں تجدد کی ایک مثال مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدرآباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۲۵
۴۔ شاید احمد دہلوی پیغامات مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدرآباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۱۷
۵۔ شہزاد احمد، ابتدائیہ، مشمولہ ''کلیات قابل'' ۱۹۹۲ء نقوش پریس لاہور ص ۱۱
۶۔ سحر انصاری، شاعر اعتماد، مشمولہ سہ ماہی نخلستان (اکتوبر ۱۹۸۶ء تا مارچ ۱۹۸۷ء)
۷۔ حضور احمد سلیم قابل ایک دیدہ ور مشمولہ ماہنامہ طالب علم ڈائجسٹ حیدرآباد (سندھ) فروری ۱۹۷۰ء ص ۳۹
۸۔ انوار احمد زئی، دیباچہ مشمولہ ''دیدۂ بیدار'' ۱۹۸۶ء، ثانی کمیونی کیشنز حیدرآباد
۹۔ محسن بھوپالی، پسِ ورق، ''عشق انسان کی ضرورت ہے'' جنوری ۲۰۰۵ کینوس کمیونی کیشنز، کراچی
۱۰۔ بینش سلیمی، قابل اجمیری، نئی قدریں (اردو شاعری نمبر) ۱۹۶۷ء ص ۵۵۱